خواتین کا مقبول ترین ناول

یہ دل یہ پاگل دل میرا



عالیہ حرا

پیش لفظ

میں عالیہ حرا بحرِ ادب کا ننھا سا قطرہ ہوں، جی ہاں ڈائجسٹ میں چھپنے والی تحریریں ادب کا ہی حصہ ہیں۔ ادب بذات خود کیا ہے؟ یہ ایک ثقیل اور گھمبیر سوال ہو جائے گا۔

''اظہار'' زندگی میں بے حد معنویت رکھتا ہے۔ غم، خوشی، ہنسی، دکھ احساسات، جذبات کو جب تک ''اظہار'' کا بانی نہ ملے بے وقت ہی رہتے ہیں۔

اس لئے میں نے اپنی ذات کے اظہار کیلئے ''لکھنا'' منتخب کیا اور یہ میرا خاندانی ورثہ بھی ہے۔ میرے دادا ڈاکٹر فضل الرحمٰن، میرے چچا فصیح الرحمٰن بہت اچھے رائٹر تھے۔ ان کی کہانیاں ادبی رسالوں میں چھپتی تھیں۔ میری پھپھو خالدہ ادیبہ بہت اچھی رائٹر ہیں جنہوں نے اک عمر دوشیزہ وغیرہ میں لکھا۔

اور میں لکھتی بھی اس لیے ہوں کہ شاید میں لکھنا جانتی ہوں۔ میں محبت سے محبت کے لئے لکھتی ہوں اور لکھتے رہنا چاہتی ہوں۔ میں تھکی ہوئی کہانیاں نہیں لکھتی۔ بلکہ تھکے ہوئے ذہنوں کیلئے تر و تازہ شاداب کہانیاں تخلیق کرتی ہوں۔ ارد گرد کا ماحول، دکھ، مسئلے، محسوسات، میرے قلم کا حصہ ہے۔ ادراک اور آگہی کی سیاہی میرے قلم کو رواں رکھتے ہیں اور محبت کی آفاقی زبان میری تحریروں کو جلا بخشتی ہے۔

میرے اندر کینہ، کدورت، نخوت، حسد نہیں ہے۔ اس لئے یہ میری کہانیوں میں بطور کہانی ہی شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اچھا شعر، گیت، منظر، خیال

مجھ سے اچھی تحریر تخلیق کروا سکتا ہے۔

میری تربیت میں میری والدہ، میرے ٹیچرز، خاص طور پر میڈم سراج اور میڈم نفیس کا بے حد حصہ ہے۔ مسز علی کو میں آج تک نہیں بھول سکی۔ آج میں جس ادنیٰ سے مقام پر بھی ہوں۔ یہ ان کی شعوری تعلیمات اور نفسیاتی ردعمل کا نتیجہ ہے۔ ان کی میں بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میری پوشیدہ صلاحیتوں کو پالش کیا۔

میں نے اپنا پہلا افسانہ نویں کلاس میں لکھا اور اسے اشاعت کیلئے انٹر میں بھیجا۔ جوں جوں کر کے تو ماہنامہ ''حور'' میں چھپ گیا۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ جو کہ آج تک جاری و ساری ہے۔ میں صفحہ قرطاس پر لفظوں کے پھول بکھراتی ہوں اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح سے ان لفظوں کے پھولوں کو چنتا ہے، سونگھتا اور محسوس کرتا ہے۔ میں نے تو حقِ محبت اور حق دوستاں ادا کر دیا اس زندگی کو...!

آخر میں، ان تمام احباب، دوست اور پبلشرز کا بے حد شکریہ۔ جن کے خلوص، محبت اور محنت سے یہ ناول اشاعت کے بعد اس مقام تک پہنچا۔ کوئی چیز بغیر پلاننگ اور منصوبہ بندی کے بعد تکمیل کے مدارج طے کر کے ہمارے ہاتھوں میں آئے تو اس کی خوشی کیسی ہوتی ہے، بس یہی احساسات میرے ہیں۔

اور میرا یہ پہلا ناول میرے پیارے قارئین کو کیسا لگا اس کے بارے میں رائے بذریعہ پبلشر ضرور دیں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

خدا......آپ سب کا حامی، نگہبان ہو۔ (امین)

عالیہ حرا

حادثہ بہت خوفناک بھی تھا اور حیرت انگیز معجزہ بھی، فضائیں ساکت ہو گئیں اردگرد کے ماحول میں سناٹا چھا گیا گویا کسی جادوئی چھڑی نے سب کو مسمریزم کر دیا ہو، ٹریفک جام ہو چکا تھا۔

لوگ ایک دوسرے سے حادثے کا سبب دریافت کر رہے تھے۔

سپر ہائی وے پر وہائٹ نسان تقریباً پچک گئی تھی اندر موجود چار زندہ کھلکھلاتے ہنستے گاتے وجودوں کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ قسمت کی بات تھی کہ زندگی موت پر حاوی ہو جائے یا موت زندگی پر سبقت لے جائے۔

جب کہ وہائٹ نسان کے برعکس سیاہ پیجیرو میں موجود پانچوں افراد زندہ تھے معمولی خراشوں کے سوا انہیں کوئی چوٹ نہ آئی تھی یہ حیرت انگیز معجزہ ہی تو تھا۔

یہاں زندگی موت سے جیت گئی تھی۔

وہاں موت نے میدان مار لیا تھا۔

عمر آفندی سکتے کی حالت میں تھے اور ہر ذی روح سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا جو اس پر قابو پا کر عمر آفندی ہر قسم کی صورت حال کو فیس کرنے کے لیے نیچے اترے ساتھ ہی آصف اور علی نے بھی پیش قدمی کی سفید نسان کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔

''چ چ...افسوس...'' ہر آنکھ اشکبار تھی۔

''یہ...یہ لڑکی ابھی زندہ ہے اس کو اسپتال لے چلو۔''

لوگوں نے بمشکل گاڑی سے کھینچ کر آگے بیٹھے ادھیڑ عمر مرد اور درمیانی عمر کی عورت کو باہر نکالا کہ شاید ان میں زندگی کے آثار ہوں مگر یہ خوش فہمی تھی' پیچھے بیٹھی دونوں لڑکیوں کو دیکھا' ان میں سے ایک مر چکی تھی دوسری کی حالت انتہائی نازک اور خستہ تھی۔ خون تیزی سے ابل ابل کر اس کے وجود کو بھگو رہا تھا۔ اس کا چہرہ سلامت تھا بازو اور ٹانگوں پر شدید چوٹیں آئی تھیں اسی وقت پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے لوگ قدرے دور ہٹ گئے۔

''علی اسپتال سے ایمبولینس منگواؤ میں اس لڑکی کو اسپتال لے کر جا رہا ہوں تم یہیں ٹھہرو۔''

عمر آفندی نے ساکت کھڑے علی کو پکارا' پل میں ان کے اعصاب چیخ کر رہ گئے تھے، حادثے کی صورت میں حال کی وجہ سے۔

''بھائی وہ پولیس۔۔۔ علی نے دزدیدہ نگاہ اطراف پر ڈالی۔

''کچھ نہیں کہتی پولیس ہم جائے حادثے سے فرار نہیں ہو رہے'' عمر آفندی نے علی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

تبھی انسپکٹر خرم نے مشہور و معروف شخصیت عمر آفندی کو پہچان لیا۔

''یہ۔۔۔ یہ سب کیسے ہوا۔۔۔ عمر۔۔۔؟'' انسپکٹر خرم قریب آ گیا۔

''یہ سب باتیں بعد میں' پہلے مریض کو اسپتال لے کر جانا ہے'' عمر آفندی نے بے ہوش وجود کو جھک کر بازوؤں میں اٹھایا۔

''آصف تم ان سب کو گھر لے جاؤ''

وہ انسپکٹر خرم کے ساتھ جیپ کی جانب بڑھا۔ چند کانسٹیبل جائے حادثے پر چھوڑ کر جیپ فراٹے بھرتی ہاسپٹل کی جانب دوڑنے لگی۔ ساتھ ہی عمر آفندی کی پیشانی پر شکنوں کا جال پھیلتا چلا گیا' ساکت جامد خاموش فضائیں ان کے ہمراہ تھیں۔

لڑکی کو فوراً ایمرجنسی میں دے دیا گیا ڈاکٹر شہزاد کو فوری تاکید کی تھوڑی دیر بعد علی بھی پہنچ گیا۔

''علی ان کے پاس سے کوئی ایڈریس وغیرہ ملا۔'' ان کے لہجے سے پریشانی ہویدا تھی۔

''جی بھائی یہ ایک کارڈ ملا ہے شاید آفس کا ہے اور یہ ایک نمبر ملا ہے۔''

''ٹھیک ہے ان کے گھر فوراً اطلاع' دو آفس بھی فون کرو۔''

''جی۔۔'' علی موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

عمر آفندی نے بقیہ لوگوں کا ڈاکٹرز سے چیک اپ کروایا انہوں نے موت کی تائید کر دی پوسٹ مارٹم لواحقین کے آنے پر ہوتا لاشوں کو سرد خانے میں رکھوا دیا گیا زندگی کی حرارت سے بھرپور وجود لمحوں کے فرق سے کہاں کا سفر کر بیٹھے۔ حادثہ تیز رفتاری کے سبب ہوا تھا۔

عمر آفندی ریلنگ سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

''بھائی دونوں جگہ سے جواب نہیں مل رہا' شاید گھر اور آفس دونوں بند ہیں۔''

عمر آفندی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کارڈ پر آفس ایڈریس بھی ہو گا تم وہاں سے معلومات کر کے کسی کو ساتھ لے کر آؤ' ہو سکتا ہے فون خراب ہو ادھر سے ہی گھر کا ایڈریس بھی معلوم ہو جائے گا'' دماغ نے تیزی سے کام کیا۔

''جی۔۔'' علی سرعت سے باہر کی جانب دوڑا۔ ''علی!!۔۔'' عمر نے پھر پکارا علی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''آصف کہاں ہے؟۔''

''باہر گاڑی میں۔''

"ٹھیک ہے مجھے فوراً اطلاع کرنا۔"

"جی۔۔۔" کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔

"یا خدایا۔۔۔" گہرا سانس لیتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھ ریلنگ پر ٹکا کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"آج کیسا آزمائش کا دن تھا' یا خدایا اس لڑکی کو صحت دے۔"

حادثہ جان بوجھ کر نہیں کیا گیا تھا بس اچانک ہی ہو گیا تھا۔

"میں۔۔۔" میں ہر قسم کے کفارے' ہرجانے کے لیے تیار ہوں میرا گناہ بخش دینا میں تیرا ادنیٰ سا گناہ گار بندہ ہوں۔" عمر آفندی عاجزی و انکساری سے خدا کے حضور دعا گو تھے۔

ان پر حادثے کا شدید ردعمل تھا اس وقت انہیں پرسکون ٹرینکولائیزر کی ضرورت تھی۔ چاہتے تو ڈاکٹر شہزاد سے لے لیتے اور کچھ دیر کے لیے پرسکون ہو جاتے' مگر ان کی انا نے گوارا نہیں کیا۔

ایک تو حادثہ اندوہناک تھا دوسرا گھر والوں کا ایڈریس نہیں تھا تیسرا' لڑکی کی حالت بہت ابتر تھی۔ پھر یہ کہ کسی وقت کوئی بھی اطلاع مل سکتی تھی آپریشن تھیٹر سے' یا علی کی جانب سے' لہٰذا وہ اس وقت وہیں موجود رہنا چاہتے تھے۔

انہوں نے رخ موڑ کر دیکھا کاریڈور سنسان تھا ڈاکٹر شہزاد کے روم میں جانا بے کار تھا وہ آپریشن تھیٹر میں مصروف تھے وہ وہیں ٹک کر کھڑے ہو گئے۔

"سر یہ چائے۔" عمر نے دھیمی سی آواز پر سر گھمایا۔ ایک نرس ٹرے تھامے کھڑی تھی۔

"وہ خود کہاں ہے۔" عمر نے کپ تھام لیا۔ اس وقت یہ چائے کسی نعمت سے کم نہ تھی۔

"آپریشن روم میں۔"

"میں یہیں ہوں وہ آئیں تو مجھے اطلاع دے دینا۔"

"جی سر!" نرس واپس پلٹ گئی۔

عمر آفندی دوبارہ اسی پوزیشن میں کھڑے ہو گئے۔ چائے کا گھونٹ بھرا گویا جسم و جان میں نئی تازگی اتر گئی ہو' تھکے چٹخے ہوئے اعصاب قدرے پرسکون ہونے لگے تو ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا۔

ذہن میں جو بات سب سے پہلے آئی وہ یہ تھی کہ یہ حادثہ سراسر لالہ رخ کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ وہ تو بہت پرسکون ہو کر گاڑی چلا رہے تھے۔ خوامخواہ کی بحث نے گاڑی کی فضا کو خراب کر دیا تھا۔

علی اور آصف کے ساتھ پلوشہ بھی بدمزا ہو گئی تھی حالانکہ وہ لوگ پورے نو دن بعد گھر آ رہے تھے اسلام آباد، مری اور سوات وغیرہ گھوم کر۔

کراچی کے حبس زدہ موسم نے انہیں شہر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سارا وقت اچھا گزرا تھا لیکن آخری دو دن بے حد برے تھے عمر آفندی کے لیے کیونکہ لالہ رخ کی شکّی وہمی صلاحیتیں یکدم بیدار ہو گئی تھیں۔

اس نے سب کے سامنے کہہ دیا تھا کہ عمر اس میں اب دلچسپی نہیں لیتے وہ سامنے والی مسز بخاری کی لڑکی اریشہ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

"لاحول ولا قوۃ۔" آصف منہ چھپا کر ہنسا' شوخی علی کی آنکھوں میں بھی اتر آئی۔

"اریشہ کیسی ہے' کون ہے؟"

جواب میں لالہ صرف انہیں گھور کر رہ گئی۔

"تم۔۔۔تم مان کیوں نہیں لیتے کہ تم اس لڑکی میں انٹرسٹڈ ہو۔"

ان کے کمرے کی بیرونی کھڑکی سے آتی آوازیں یہ لوگ گیلری میں سن رہے تھے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے لالہ رخ اور کوئی بات نہیں ہے ہم یہاں گھومنے پھرنے آئے ہیں الٹی سیدھی باتیں سوچنے نہیں۔"

عمر آفندی کا لہجہ دھیما مگر تلخ تھا۔

''تم مردوں کو تو عادت ہوتی ہے اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی۔''

''اگر مجھے عشق کرنا ہوگا تو علی الاعلان کروں گا کسی پردہ پوشی کی ضرورت نہیں ہے اور فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

لالہ رخ رونے بیٹھ گئی عمر آفندی زچ ہو گئے تھے۔ اگلے دو دن تک جینا دوبھر ہو گیا' بات بات پر اس لڑکی کو مورد الزام ٹھہرایا جو نیچے درختوں میں ٹہلتے ہوئے جانے کس کے لیے گنگناتی رہتی تھی۔

''بھابھی تو بس۔۔۔'' پلوشہ زچ ہو گئی تھی بھابھی کا موڈ اور لہجہ دیکھ کر۔

''جانے ان عورتوں کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ پہرے داریوں اور سختیوں سے کچھ نہیں ہوسکتا جس نے جو کرنا ہے کر گزرے گا''۔ جانتی تھی پلوشہ کہ اس سے ایک لفظ بھی کہا تو اس کے سر ہو جائیں گی لہٰذا خاموش تھی مگر ساری تفریح کا بیڑا غرق ہو گیا تھا آصف اور علی تو نکل جاتے تھے اس کا موڈ نہ بنتا۔

وہ تو صاف کہتے ''کراچی کا موسم ادھر ہی اچھا لگتا ہے ساتھ ساتھ لے کر نہیں چلا جاسکتا۔''

واپسی کا سفر انتہائی ناخوشگوار تھا اتنے طویل سفر کا بھی انہیں خیال نہیں تھا اب تو کاغان کے اس ہوٹل سے کوسوں دور نکل آئے تھے مگر وہ اسی نہج پر سفر کر رہی تھی اسی لیے گاڑی میں گہری خاموشی تھی۔

پلوشہ کا تو دل چاہ رہا تھا کہ بھاوج کو کھری کھری سنا دے مگر درمیان میں بھائی کا خیال آجاتا وہ اور زیادہ تلخ ہو جاتے' تاہم شرمندگی کی رمق چہرے سے عیاں تھی۔

گہری خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ تنا ہوا چہرہ ابھری ہوئی رگیں، کسی طوفان کا ہی پتا دے رہی تھیں۔

اور آخر حادثہ ہو گیا تھا جو کہ شدید بھی تھا اور اذوہناک بھی بے شک وجہ کوئی بھی ہو حادثہ ان کی وجہ سے ہوا تھا اور اس کے لیے وہ خود کو بھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔

☆☆☆

معلوم نہیں کہ آئندہ کیا صورتحال ہوتی گھر جانے کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اور اس عورت کی شکل دیکھنے کو تو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ عورت جس کا نام لالہ رخ تھا اور جو کسی ہوا کے جھونکے کی مانند ان کی زندگی میں آئی تھی۔ بہاروں بھرے وجود کو اپنے حصار میں لینے کو دل مچل گیا تھا محبت شدید بھی تھی اور زور آور بھی اور محبت کی شوریدہ سرلہروں سے کوئی نہیں بچ سکا۔

درمیان میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔ یوں ملن و منزل آسان ہو گئی۔ محبت ہمیشہ چہروں سے ہوتی ہے عادات، اطوار، خصائل قریب آنے پر کھلتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ شادی کے بعد محبت شدید نہیں رہتی' ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ تو ہوا ہی بہت برا تھا۔

محبت کی عمر چڑھتے چاند اور ڈھلتے سورج کے مصداق ہوتی ہے لیکن کم ہی لوگ اس بات سے واقف ہوتے ہیں۔

شادی کے سات سال بعد عمر آفندی کو اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کا فیصلہ محض جذباتی فیصلہ تھا ورنہ ماہ رخ تو عام سی عورت ہے اس میں تو طرحدار عورتوں والی کوئی بات نہیں ہے۔

کوئی اولاد نہیں تھی ان کی کہ یہ تو خدا کی دین ہے نہیں دی تو کیا' کیا جاسکتا ہے البتہ ہر ممکنہ علاج کروالیا تھا۔

ان کی والدہ نے کبھی احساس بھی نہیں دلایا کہ عمر آفندی بڑی اولاد ہے اس کی اولاد ہونی چاہیے۔ بچوں کو کھلانے کا حق انہیں بھی تھا مگر خدا کے کاموں میں کس کا اختیار ہے۔

اور نہ ہی عمر آفندی کو احساس ہوا وہ تو فی الحال زندگی کے مزے لوٹنا چاہتے تھے لیکن

اولاد کی کمی نے لالہ رخ کو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ایک نفسیاتی احساس میں مبتلا کر دیا تھا کہ اولاد کی محرومی عمر کو دوسری شادی پر مجبور کر دے گی یہ ناقص العقل عورت شاید یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی حرکتیں بھی مرد کو دوسری شادی پر مجبور کر سکتی ہیں۔

اس کے دل میں یہ خدشہ پنپ کر جوان ہو چکا تھا کہ بالا ہی بالا عمر آفندی کی بہت سی لڑکیوں سے فرینڈ شپ ہے۔ وہ دوسری شادی کے چکر میں ہیں نیز یہ کہ وہ عنقریب دھماکا کریں گے کہ انہوں نے شادی کر لی ہے انہیں جائیداد کا وارث چاہیے ان کے پاس عذر بہت معقول تھا۔ یہ سب لالہ رخ کی ذہنی روتھی کہ لالہ رخ کو اپنی آنے والی سوکن سے سمجھوتا کر لینا چاہیے۔ اور سمجھوتا، سمجھوتا ہی محبت کی موت اور عشق کی خودکشی ہے عورت شوہر کے نام پر سمجھوتا نہیں کرتی اور شاید اس کی سرشت میں سمجھوتے کی چادر اوڑھنا ہے ہی نہیں۔

لالہ رخ کسی بھی قسم کے سمجھوتے کے لیے تیار نہ تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس کے دل میں شک وشبہات نے پروان چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ جس دل میں شک کا قیام ہو وہاں سے محبت رخصت ہو جاتی ہے۔

مگر لالہ رخ کا دل عجیب وغریب تھا کہ اس میں شک اور محبت دونوں ساتھ قیام پذیر تھے اس میں عمر آفندی کو نہ تو کھونے کا حوصلہ تھا اور نہ ہی کسی اور کا ہونے دینے کا۔

عمر آفندی نے زندگی میں ایک ہی بار محبت کی تھی اور ہر طرح سے اسے یقین دلا دیا تھا مگر وہ اعتبار اور اعتماد کی کوئی بھی ڈور شاید تھامنا نہیں چاہتی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ عمر آفندی کا دل ایک دم سے اس کی جانب سے خراب ہو گیا تھا جس نے سمجھ بوجھ کے سارے دروازے بند کر لیے تھے۔

واپسی پر اس کی خوامخواہ کی بحث سے یہ حادثہ رونما ہو گیا تھا کسی کا ہنستا مسکراتا گھر تباہ ہو گیا وہ خود کو کسی صورت میں معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔ اچانک ہی بہت ساری نفرت ساری حدیں عبور کر کے لالہ رخ کے لیے ان کے دل میں امنڈ آئی تھی اب دنیا کی کوئی

طاقت انہیں اس سے محبت پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بات علی، آصف اور پلوشہ تینوں جانتے تھے۔

''عمر۔۔'' وہ خیالوں کی یورش سے نکلنا نہیں چاہتے تھے کہ آواز پر چونک گئے سامنے ڈاکٹر شہزاد کھڑے تھے۔

''کہو کیا حال ہے کیسی ہے وہ۔'' لہجہ میں بے چینیاں عود کر آئیں۔

''ویری سیریس۔۔'' ڈاکٹر شہزاد کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''کسی معجزے نے اسے بچا تو لیا ہے مگر ابھی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے چوٹیں بہت شدید آئی ہیں مجھے تو ڈر ہے۔۔۔۔''

جملہ ادھورا چھوڑ کر ڈاکٹر شہزاد خاموش ہو کر ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

''کس۔۔۔۔کس بات کا۔''

''حادثے کے اثرات اس کے وجود پر رہ سکتے ہیں۔'' انہوں نے نیچے لان میں درختوں کی قطاروں کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا، عصر کا وقت ہو چلا تھا۔

''نہیں۔۔۔۔'' عمر آفندی کا دل کانپ گیا۔

''یہ نہیں ہونا چاہیے''

''یہ حادثہ ہوا کیسے؟۔''

''م۔۔معلوم نہیں۔'' انہوں نے بے قراری سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''علی آیا۔''

''لڑکی کے گھر والوں کو خبر ہوئی'' ڈاکٹر شہزاد تفکرانہ انداز میں بولے۔

''اس بارے میں علی نے کوئی بات نہیں کی سسٹر بتا رہی تھیں کہ انسپکٹر خرم کا بھی فون آیا تھا۔ ڈیڈ باڈی کے لواحقین کے بارے میں پوچھ رہا تھا پھر پوسٹ مارٹم بھی کرنا ہے وہ بھی آتا ہی ہو گا۔

نئی الحال انسپکٹر خرم کوئی بھی کارروائی نہیں کر رہا تھا لیکن وہ اپنے طور پر اس کیس کے بارے میں معلوم کر رہا تھا۔

''معلوم نہیں شہزاد تقدیر کھڑے کھڑے کیا کر دیتی ہے' سوات سے نکلتے ہوئے کب یہ سوچا تھا کہ یہ حادثہ ہوگا۔

انسان کو پل کی خبر نہیں ہوتی اور وہ سالوں پر محیط منصوبے تشکیل دے لیتا ہے۔'' لہجے میں ملال در آیا تھا۔

''اب کیا کرنا ہے۔ شہزاد نے انہیں دیکھا۔

''یہ تو علی کے آنے پر ہی معلوم ہوگا کیا خبر ہے۔''

''عمر' اماں جان کا فون آیا تھا خیریت پوچھ رہی تھیں اور پریشان تھیں انہیں فون کر لینا۔''

''ہوں۔۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر گہرا سانس لے کر نیچے دیکھنے لگے اور چونک گئے علی آ رہا تھا۔

''علی آ گیا۔'' وہ ایک دم گھومے ''تھینک گاڈ'' تھوڑی دیر بعد علی ان کے سامنے تھا۔

''اتنی دیر۔۔'' انہوں نے تفکر سے دیکھا۔

''ہاں پہلے آفس پھر گھر دونوں ہی ڈھونڈنے تھے۔''

''کیا نتیجہ رہا؟۔''

''بہت برا۔'' اس کے چہرے سے مایوسی ہویدا تھی عمر آفندی کا دل ڈوبنے لگا۔

''میں فیروز نظامی صاحب کے آفس پہنچا آفس ورکر اپنے مالک کا انتظار کر رہے تھے' پچھلے ایک مہینے سے وہ اپنی فیملی کے ساتھ اپنے دوست کے بیٹے کی شادی میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے آج کل میں بس آنے والے تھے میں نے انہیں حادثے کے متعلق بتایا' وہ لوگ ششدر رہ گئے وہاں سے ان کے گھر کا ایڈریس لیا۔

منیجر افتخار نے بتایا کہ انہوں نے ابھی حال ہی میں گھر شفٹ کیا ہے یہاں تک کہ ابھی ملازمین بھی نہیں رکھے۔ پھر میں افتخار صاحب کے ساتھ فیروز نظامی صاحب کے گھر گیا۔ دروازے پر صرف چوکیدار تھا۔ اسے اس سانحہ کے متعلق بتایا۔''

''کوئی رشتہ دار۔۔۔ دوست احباب' قریبی عزیز۔'' عمر آفندی قدرت کے اس مذاق پر گم سم کھڑے [illegible]

''اس بارے میں افتخار صاحب [illegible] نہیں بتا سکے اور نہ ہی ان کے پاس کسی عزیز وغیرہ کا ایڈریس یا فون نمبر ہے تاہم فیروز نظامی کے قریبی دوستوں کو فوراً اطلاع کر دی گئی ہے وہ لوگ ہاسپٹل پہنچنے ہی والے ہوں گے۔''

علی نے ہاتھ باندھتے ہوئے تھک کر گہرا سانس لیا اور ریلنگ سے ٹیک لگا لی۔

''کس قدر بدنصیب خاندان ہے۔''

''لڑکی کو ہوش آیا۔'' علی نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں ابھی اس کا ہوش میں آنا ممکن نہیں' ایمرجنسی میں ہے' آپریشن کر کے کانچ نکال لئے ہیں' ٹانگ اور ہاتھ پر پلستر کر دیا گیا ہے' دائیں آنکھ شدید زخمی ہوئی ہے' سر پر شدید چوٹ ہے۔''

ڈاکٹر شہزاد نے تفصیل بتائی۔

''اوہ۔۔ مائی گاڈ۔۔'' اس قدر چوٹوں کا سن کر عمر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' آگے خیریت پوچھنا حماقت تھی صرف دعا کی جا سکتی تھی۔

''اس بدنصیب خاندان کا کوئی فرد تو بچ جائے۔'' علی فیروز نظامی کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔'' عمر آفندی نے ڈوبتے لہجے میں پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ نہیں ہوگا کیونکہ اس بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی۔''

''ہوں!۔۔'' عمر آفندی ہتھیلیوں کے درمیان تھوڑی رکھ کر نیچے دیکھتے ہوئے بہت

کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

ڈاکٹر شہزاد' آئی سی یو کی جانب بڑھ گئے۔ دونوں کے درمیان گہری خاموشی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فیروز نظامی کے دونوں دوست عاصم بخاری' رضا مراد' بزنس پارٹنر اکبر داؤد' آفس ورکر اور کچھ پڑوسی پہنچ گئے۔ سب کو اس سانحہ کا شدید افسوس تھا۔

عمر آفندی نے کچھ نہیں چھپایا تھا بلکہ صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ فیروز نظامی کے لواحقین کی جانب سے ہر قسم کی سزا اور ہرجانے کے لیے تیار ہیں۔ اور التماس کی تھی کہ اگر ان کے بارے میں کوئی خبر یا معلومات ہے تو دیں مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''ہاں فیروز صاحب کے ایک بیٹے ہیں مگر انہوں نے دو سال قبل امریکا میں شادی کر لی تھی اس کے بعد سے ان کی کوئی اطلاع نہیں۔''

عاصم بخاری نے کہا۔

اب جو بھی کارروائی ہو گی اس کے لیے ان کی بیٹی کا ہوش میں آنا بہت ضروری ہے وہی کچھ بتا سکتی ہیں لیکن سرد جسموں کو اتنی دیر تک تو نہیں رکھا جا سکتا۔'' ڈاکٹر شہزاد نے کہا۔

''لیکن کسی رشتہ دار کی غیر موجودگی میں کس طرح سے۔'' رضا مراد نے کہا۔

''میرا خیال یہ ہے کہ امانتاً دفنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کے بعد جو بھی صورتحال ہو گی اسے فیس کر لیا جائے گا۔'' ڈاکٹر شہزاد نے مشورہ دیا۔

''ہوں۔۔'' سب نے سوچ بچار کے بعد ایک رائے دے دی۔

''ایکسکیوزمی ان کی بیٹی کا نام کوئی بتا سکتا ہے'' علی نے حاضر دماغی سے پوچھا۔

''ان کے تین بچے تھے ایک بیٹا بہرام نظامی، جو کہ پڑھنے کے لیے امریکا گیا تھا اس سے چھوٹی دو بیٹیاں تھیں نایاب اور نگین۔'' عاصم بخاری نے بتایا۔

''اور ان کی ایک بیٹی میرے بیٹے کی منکوحہ ہے پچھلے سال ہی اس کا نکاح ہوا ہے۔''

فیروز نظامی کے بزنس پارٹنر اکبر داؤد نے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جما کر دھیرے

سے کہا۔

''تو یہ ان کے ہوش میں آنے پر ہی بتایا جا سکتا ہے کہ وہ نایاب ہے یا نگین۔''

علی نے حاضر دماغی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

''کیا مطلب۔'' اکبر داؤد نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

''وہ میری بہو ہے کیا میں اپنی بہو کو پہچانوں گا نہیں۔''

''بے شک' بے شک مگر لڑکی کی تائید بھی تو ضروری ہے۔'' علی نے سنجیدگی سے کہا۔

عمر آفندی بھی کچھ چونکنے ہو گئے' چھٹی حس نے سگنل دینا شروع کر دیا۔ اکبر نے عجیب سی نظروں سے علی کو دیکھا۔

''وہ میری بہو ہے اور اپنی بہو کا علاج میں اپنے ہاسپٹل میں کرواؤں گا آپ لوگوں پر مجھے بھروسا نہیں ہے۔'' اچانک ہی اس نے پینترا بدل لیا۔

''لیکن میں اپنی مریضہ کو فی الحال کہیں اور شفٹ ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا آپ اپنے فیملی ڈاکٹرز کو اُدھر ہی لے آیئے مجھے اعتراض نہیں ہے جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتی ہمارے پاس امانت ہے کوئی بھی فیصلہ اس کے ہوش میں آنے پر ہو گا۔

ڈاکٹر شہزاد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اکبر داؤد دانت پیس کر رہ گیا اس بات کو تینوں نے نوٹ کیا۔

''مجھے آپ لوگوں پر اعتبار نہیں ہے مجرم ہیں آپ لوگ۔'' اکبر داؤد انہیں گھور رہا تھا۔

اُس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

عاصم بخاری اور رضا مراد اپنے گہرے دوست کے ساتھ ہونیوالے اس عظیم سانحے پر اشکبار تھے اس لیے ذرا فاصلے پر کھڑے اس سارے قصے سے لاعلم تھے۔

''دیکھ لوں گا آپ لوگوں کو اگر میری بہو کو کچھ ہوا تو۔۔۔'' لہجہ نہ صرف تند بلکہ دھمکی آمیز ہو گیا۔ وہ انہیں گھورتا ہوا آگے نکل گیا اور ان لوگوں کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ یہ ہی کہہ

دیتے کہ اپنے عزیز از جان دوست کی تدفین میں تو شریک ہوتے جائیں۔

''عجیب خبطی سا شخص ہے حد ہوتی ہے بداخلاقی کی۔''

علی آخری کونے تک اسے دیکھتا رہا' اس کا دماغ اس شخص کی باتوں کو صحیح ماننے کو تیار ہی نہ تھا کتنا اختلاف تھا اس کی باتوں میں کتنا تضاد تھا اس کے لہجے' انداز و اطوار میں۔

☆☆☆

اگلے دن فیروز نظامی ان کی بیوی اور ایک بیٹی کو امانتاً سپرد خاک کر دیا گیا۔

زندہ رہنے والی بیٹی کا یہ حق بنتا تھا کہ اسے آخری بار دیکھ سکے معلوم نہیں خدا نے اس کی قسمت میں کیا لکھا تھا' چھوٹی سی عمر میں وہ کتنی تنہا اور بے یار و مددگار ہو گئی تھی۔

دوران تدفین اکبر داؤد مسلسل انہیں گھورتا رہا۔ مگر انہیں مطلق پروا نہیں تھی وہ لوگ انصاف کے تقاضوں کو مکمل کر رہے تھے۔ جو ہو گیا تھا انہیں اس کا افسوس تھا۔

آج چار دن ہو گئے تھے عمر آفندی گھر نہیں گئے تھے ایک بار گئے بھی تو بس کھڑے ہو کر آ گئے۔ اماں بی اور امی جان سے بھی نہیں ملے۔

لالہ رخ کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

بجائے افسوس کرنے کے اپنے شک کو تقویت دے رہی تھی کہ بس اب عمر آفندی اس کے ہاتھوں سے پھسلے اور سمندر میں گئے۔

حالانکہ علی ناصرف اسے بلکہ بی بی جان امی جان اور اپنے والد شہباز آفندی خان کو سارا دن کی روداد مسلسل سنا رہا تھا۔ شہباز آفندی دو ایک بار اسے دیکھنے بھی جا چکے تھے۔

ان کی والدہ اور بیگم ارجمند آفندی کو بہت افسوس تھا کیسی بدنصیب بچی تھی، پلوشہ اور آصف کو اس سے بہت ہمدردی ہو گئی تھی اور سب مل کر خشوع و خضوع سے اسکی صحت یابی کے لیے دعا کر رہے تھے۔

فی الحال ڈاکٹر شہزاد احمد کی جانب سے کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا ابھی تک وہ

لڑکی انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھی۔

معلوم نہیں اس کا نام نایاب تھا یا نگین فی الحال اس سے نہ کوئی مل سکتا تھا نہ دیکھ سکتا تھا۔

☆☆☆

''میرے خیال میں عمر' جب تک اس لڑکی کا کوئی وارث نہیں مل جاتا یا پھر اسے ہوش نہیں آ جاتا اس کے گھر کی طرح سے اس کے کاروبار کی بھی دیکھ بھال کرنی چاہیے ایسا نہ ہو لوٹنے والے شب خون مار جائیں۔

ڈاکٹر شہزاد نے نیم دراز عمر آفندی سے کہا جو انگلیوں سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے گہری سوچ میں غلطاں تھے ان کی بات سن کر چونکے اور بائیں ہاتھ میں دبا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا آج کتنے دن ہو گئے تے اس حادثے کو۔

''ہوں' میں بھی کچھ یہی سوچ رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ بدنصیبی چاروں طرف سے اسے گھیر لے اسے ہوش کب تک آ جائے گا۔'' سوالیہ نگاہ اس پر ڈالی۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا تمام تر کوششیں جاری ہیں۔''

دراصل مجھے ان کے بزنس پارٹنر اکبر داؤد کی جانب سے خطرہ ہے وہ ضرور کوئی نہ کوئی گھپلا کرنے کی کوشش کرے گا۔ لڑکی پر قابو پا کر بزنس پر بھی قابو نہ پالے، معلوم نہیں نکاح بھی صحیح ہے یا نہیں یہ مجھے کچھ نہ کچھ گھپلا لگتا ہے۔ دنیا دیکھی ہے ہم لوگوں نے بھانت بھانت کے لوگوں سے ملتے ہیں آج کتنے دن ہو گئے ہیں ان کا بیٹا تو ایک بار بھی نہیں آیا۔'' اہم نکتے کی جانب اشارہ تھا۔

''ہاں میں بھی سوچ رہا ہوں اگر نکاح ہوا ہے تو بیٹا ابھی تک بیوی سے ملنے کیوں نہیں آیا۔ شہزاد سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''اور میرا خیال ہے کہ تم بھی اپنی حالت ٹھیک کرو جو ہونا تھا ہو چکا ہے انکل تمہاری

جانب سے بہت پریشان ہیں کل سے آفس جانا شروع کرو اور علی کو فیروز نظامی کے آفس میں بھیجو بھابھی الگ پریشان ہیں۔''

''ہونہہ۔۔ بھابھی۔۔'' اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔ ایک دم سے محبت نفرت میں بدل گئی تھی۔

''شہزاد اس لڑکی کو ہر حال میں بچانا ہے میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا میرا کہیں دل نہیں لگتا جب تک اسے ہوش نہیں آجاتا۔'' ان کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

''میں تمہارا پرابلم سمجھتا ہوں عمر اور تمہاری حساسیت سے آگاہ ہوں لیکن یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں اور انسپکٹر خرم کو بھی سمجھا دیا ہے اس نے ضروری کارروائی مکمل کر لی ہے۔''

''ہوں۔۔'' عمر نے دھیرے دھیرے پیشانی کو مسلتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنے سے مزید نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔''

''مجھے بھی اکبر دواؤد کچھ ٹھیک آدمی نہیں لگتا۔''

''میرے دوست' جہاں سے بہت کچھ ملنے کے اسباب پیدا ہو جائیں وہاں دلوں میں فتور آ ہی جاتا ہے۔'' شہزاد نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔

پھر دونوں کافی دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے۔

آصف آفندی چونکہ پڑھ رہا تھا اس لیے اس کام کے لیے علی ٹھیک تھا' اس نے ابھی حال ہی میں ایم بی اے کیا تھا۔ پھر نگرانی ہی تو کرنی تھی۔ آفس میں بھی وہ کام سیکھنے کے لیے ہی جاتا تھا۔

اس کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ اس دکھی بدنصیب لڑکی سے ہمدردی ہو رہی تھی بس نہیں چلتا کہ اسکے لیے کیا کر دے، ان ہی کی وجہ سے تو وہ زندگی کی سچی اور ابدی خوشیوں سے محروم ہوئی تھی اکثر موضوع سخن یہ ہی ہوتا کہ اس خوفناک سانحہ کی اطلاع اس لڑکی کو کس طرح دی جائے گی اور کون دے گا؟ اس کا ردعمل کیا ہوگا؟ مقدمے کی کون سی دفعہ ان پر لگائے گی۔

اس سے بھی بڑا مسئلہ اس وقت یہ تھا کہ جس انداز سے اس کا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اس کے وجود پر حادثے کے نشان نہ رہ جائیں اور اگر رہ گئے تو!!!

''خدا نہ کرے۔'' سب صدق دل سے اس کی صحت یابی کی دعا مانگتے۔ لالہ رخ اس سے حسد کرنے لگی تھی۔ اس کی وجہ سے اس کا شوہر اتنے دن سے اس سے دور تھا۔ ان کے درمیان ناراضگی تھی۔ ورنہ اب تک صلح ہو چکی ہوتی۔

اپنی زندگی کے لیے اس کا ایک موقف یہ بھی تھا کہ چھوٹی موٹی لڑائیاں محبت کی تجدید ہوتی ہیں۔ لڑائی کے بعد کی صلح بہت خوبصورت اور بھرپور ہوتی ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کبھی کبھی ذرا سی بات بہت بڑے طوفان کے آثار پیدا کر دیتی ہے۔ یہیں قریب ہی آتش فشاں کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اور بے خبری ان کے درمیان تھی۔

☆☆☆

''تم یہاں!'' اکبر داؤد نے جونہی علی آفندی کو اپنے آفس میں دیکھا اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کس مقصد سے آئے ہو میاں؟'' اس نے کھردرے پن سے کہا۔

''السلام علیکم سر!'' علی نے خندہ پیشانی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام'' وہ لحہ بھر کو خجل سا ہوا۔

''میں علی آفندی ہوں عمر آفندی کا بھائی۔''

''جانتا ہوں مطلب واضح کرو۔'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''جب تک محترمہ کو ہوش نہیں آجاتا۔''

''سفولڑ کے وہ میری بہو ہے اور اس کا نام نایاب ہے۔'' داؤد نے درمیان میں روک دیا۔

''نام اور رتبہ و مقام کی وضاحت ان کے ہوش میں آنے کے بعد ہوگی۔'' علی نے فوراً تردید کردی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ جب تک انہیں ہوش نہیں آجاتا ان کے تمام کاروبار کا نگران مجھے مقررہ کیا گیا ہے۔ میں فیروز نظامی صاحب کے منیجر افتخار کے ساتھ مل کر ان کے کاروبار کی سرپرستی کروں گا۔ اس لیے کہ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری لاپرواہی و غفلت کی وجہ سے مزید کوئی نقصان ہو۔''

''مسٹر! اٹھو اور یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔ یہ کوئی جواز نہیں ہے ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری' میں آج ہی وکیل کر کے تمہیں اور تمہارے تمام گھر والوں پر مقدمہ درج کرتا ہوں غضب خدا کا تین زندگیوں کا قتل اور پولیس خاموش ہے۔'' اکبر داؤد نے فون کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

''پہلی بات تو یہ کہ پولیس اپنی کارروائی کر رہی ہے یہ حادثہ سراسر ان لوگوں کی غلطی سے ہوا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم جائے واردات سے فرار نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی پہلوتہی برتی ہے۔ اور تیسرا یہ کہ ہم لوگ ہر کسی قسم کے ہرجانے اور کفارے کے لیے تیار ہیں۔'' علی نے بات اختصار سے بیان کرتے ہوئے کڑی نظروں سے اسے دیکھا فون کی جانب جاتا اکبر داؤد کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔

''میں تمہیں ایک منٹ بھی آفس میں برداشت نہیں کرسکتا۔'' اس نے پھر بھی تندو ترش لہجہ اختیار کیے رکھا۔

''مجبوری ہے سر! میں آئندہ آپ کے سامنے نہیں آؤں گا مگر یہ کام کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے مزید شرمندگی کا ہم میں حوصلہ نہیں ہے۔'' علی کھڑا ہوگیا۔

''میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔'' علی نے معنی خیز انداز میں دیکھا۔

اکبر داؤد کا انداز ایسا تھا گویا ابھی سالم نگل جائے گا۔

علی کے پیچھے آفس کا دروازہ بند ہوا اور اکبر داؤد دانت پیس کر رہ گیا۔

''دیکھ لوں گا تمہیں بھی''

علی فیروز نظامی کے آفس ضرور گیا مگر ان کی کرسی پر نہیں بیٹھا۔

صوفے پر بیٹھ کر اس نے افتخار احمد کے ساتھ تمام چیدہ چیدہ معاملات طے کیے۔

ایک بات جو علی نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ دوران گفتگو افتخار کا لہجہ و انداز ذرا محتاط تھے گویا بے اعتباری کی فضا ہو جیسے۔

مگر آفندی فیملی اس بدنصیب لڑکی کے لیے مخلص تھی' ان سے گناہ کبیرہ ہوا تھا' زندگیوں کا زیاں ہوا تھا جس کا انہیں ملال تھا اور وہ اب اس لڑکی کی ہر ممکنہ مدد کرنے کے لیے تیار تھے۔ طوفان جو اس کی زندگی میں آگیا تھا اس کے بہاؤ اسے اکیلا' تنہا بے یارومددگار نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ جلد یا بدیر اسے ہوش میں آجانا تھا پھر اس کے بھائی اور دیگر رشتہ داروں کو اصلاع کردی جاتی۔

مگر اتنے دن گزرنے کے باوجود اس لڑکی کی حالت خراب تھی۔ ڈاکٹرز اسے دھیرے دھیرے زندگی کی جانب کھینچ لانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

☆☆☆

عمر آفندی بہت تھکے تھکے انداز میں آفندی ولاز میں داخل ہوئے۔

لان میں بیٹھے تمام افراد کی نگاہیں ان کی جانب اٹھ گئیں [illegible] کا چہرہ یکدم چمک اُٹھا۔ ڈھیلے ڈھالے انداز میں گاڑی لاک کر کے وہ لان میں [illegible] گئے۔

بی بی جان نے ان پر نظر ڈالی۔

''کیسے ہو بیٹا جانی۔''

''ٹھیک ہوں بی بی جان۔'' اس نے پلوشہ کی جانب دیکھا اس نے بھائی کی نگاہوں کا مفہوم جان کر سرعت سے گرم گرم چائے بنا کر کپ بڑھایا۔

''کیسی طبیعت ہے اس لڑکی کی؟'' ارجمند بیگم نے بے قراری سے پوچھا۔

''دعا کریں آپ اسے دعاؤں کی بہت ضرورت ہے اس کے لیے دعا کے لیے اٹھنے والے ہاتھ تو ہمیشہ کے لیے گر چکے ہیں۔ اب آپ ہی اس کا سب کچھ ہیں۔'' عمر آفندی کا نا صرف لہجہ بلکہ آنکھیں بھی بھیگ گئیں انہوں نے گہرا سانس لے کر آسمان کی جانب دیکھا۔

''دعا کریں بی بی جان خدا نے ہمیں جس آزمائش کے لیے منتخب کیا ہے اس پر بخیر و خوبی ہم پورے اتریں۔ یہ مرحلہ بہت کٹھن بھی ہے اور جان لیوا بھی۔''

''میں جانتا ہوں بیٹا'' خدا دلوں کے اندر رہتا ہے اسے ہمارے خلوص اور نیک نیتی پر شک نہیں ہوگا۔'' شہباز آفندی نماز پڑھ کر ادھر ہی آ گئے تھے۔

''السلام علیکم! بابا جان۔''

''وعلیکم السلام' خدا تمہیں کامیاب کرے۔'' بے ساختہ ان کے دل سے دعا نکلی سب نے بیک آواز میں آمین کہا۔

''مایوسی گناہ ہے آزمائشی گھڑی پل صراط ہوتی ہے مضبوطی سے قدم جما کر کھڑے ہونا پڑتا ہے فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔''

''بے شک! بے شک۔'' بی بی جان تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

لالہ رخ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں خود کو منظر سے پس منظر میں محسوس کیا۔

''بھائی جان کل ہمیں بھی ہاسپٹل لے چلیں۔'' پلوشہ نے خلوص دل سے کہا۔

''ہاں ضرور کیوں نہیں اس سے ملنے کی اجازت تو کسی کو نہیں ہے بس دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ لوگ ضرور جائیں ہو سکتا ہے پرخلوص نگاہوں کی گرمی ہی اس کو ہوش وحواس میں لے آئے۔''

عمر آفندی کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی انہوں نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر لالہ رخ کو نہیں دیکھا تھا۔

''اچھا بی بی جان میں ذرا آرام کر لوں بہت تھکا ہوا ہوں مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔'' عمر آفندی کھڑے ہو گئے۔

''جاؤ بیٹا جاؤ۔''

''بابا جان مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں آپ کب تک فارغ ہوں گے۔''

''عشاء کی نماز کے بعد آ جانا۔''

''ٹھیک ہے علی آئے تو اسے بھی روک لیجیے گا۔'' عمر نے قدم بڑھائے۔ پھر رک گئے۔

''لیکن علی تو آج آئے گا نہیں مجھے بضد کر کے گھر بھیجا ہے' آج ہاسپٹل میں وہ رکے گا۔'' انہوں نے کہتے ہوئے لمحہ بھر کو کچھ سوچا۔

ٹھیک ہے آج خود ہی آپ سے بات کر لوں گا۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ بی بی جان مغرب کی نماز کے لیے اٹھ گئیں ارجمند بیگم بھی اندر بڑھ گئیں۔

''بھابھی جائیں نا بھائی جان کو کسی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔'' پلوشہ نے ٹھوکا دیا۔

''تم نے سنا نہیں تمہارے بھائی نے ڈونٹ ڈسٹرب کا بورڈ آویزاں کر دیا ہے۔'' اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''وہ تو کسی کال پر کسی دوست کی آمد کے بارے میں کہا ہوگا۔''

"تم چلی جاؤ مجھے بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے تیز و تند لہجے میں پیشانی پر بل ڈال کر کہا پلوشہ ہکا بکا رہ گئی۔

"بھابھیؓ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے شوہر ہیں آپ کے' کتنے دنوں بعد گھر آئے ہیں تھکے ہوئے ہیں۔ حادثے کا بہت اثر لیا ہے انہوں نے۔" پلوشہ نے خون کا گھونٹ پی کر بیوی کو ان کے حقوق کا احساس دلایا۔

"جب شوہر کو اپنے حقوق کی پروا نہیں ہے تو میں کیوں کروں۔" اس نے کندھے اچکا دیئے۔

"یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے آپ باشعور اور سمجھ دار ہیں۔"

"کبھی اپنے بھائی کو بھی سمجھا دیا کرو بہت خیال ہے ان کا' اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک فون پر اطلاع ہی دے دیتے۔" اس کا لہجہ وہی نخوت زدہ تھا۔ جھکنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ دل کے پھپھولوں کو آج نند کے سامنے پھوڑ رہی تھی پلوشہ نے مزید کوئی بات کے بغیر اندر کی راہ لی۔

کچھ عرصے سے اسے بھابھی کے اطوار ٹھیک نہیں لگ رہے تھے سرد سی جنگ کا احساس ہوتا تھا مگر منہ سے کچھ نہیں کہتی تھی اپنا وہم جان کر ہر بار سر کو جھٹکا۔ مگر ہر بار دماغ نے اس کی تردید کی۔

لالہ رخ شاید اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ عمر آفندی اس ناراضگی کو نوٹ کریں گے' اسے منانے آئیں گے۔ مگر یہ اس کی بھول تھی' محبت تو چڑھتے سورج اور ڈھلتے چاند کی طرح ہوتی ہے۔ رکھ رکھاؤ' خیال' فکر' احساس محبت کو جوان رکھتا ہے۔ بصورت دیگر محبت کا شعلہ سرد ہو کر راکھ ہو جاتا ہے اور راکھ کا کام ہی بکھر جانا ہے۔ بھڑکتے شعلوں کی عمر بھی بہت کم ہوتی ہے۔

لالہ رخ کی [illegible] رازی' شکی طبیعت' [illegible] ہی انداز نے عمر آفندی کو اندر سے توڑ

دیا تھا۔ بس انہیں یہ ہی احساس رہتا تھا یہ وہ چہرہ تو نہیں ہے جس سے انہوں نے محبت کی تھی۔ چاہا تھا یہ وہ لڑکی تو نہیں ہے جس کے لیے سب سے بحث کی تھی وہ اپنا محاسبہ کرتے مگر کہیں بھی اپنا قصور نظر نہیں آتا تھا۔

آگے کے راستے بہت دشوار گزار نظر آنے لگے تھے۔ وہ فیصلہ کرنے سے پہلے اسے ایک موقع اور دینا چاہتے تھے۔ عمر آفندی کا فلسفہ زندگی کے بارے میں ایک اصول یہ تھا۔

جس ساتھی' دوست کا ساتھ' اذیت ناک ہو جائے سفر گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے سے بہتر ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کر لو اس طرح سے راستے بہتر انداز میں کٹ جاتے ہیں۔

زندگی تو ویسے ہی بہت مختصر ہوتی ہے' دکھ اسے شدید مختصر بنا دیتے ہیں۔

جو تعلق دشوار گزار گزرے اسے توڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ محبت ہمیشہ قائم و دائم نہیں رہ سکتی۔ شکی اور وہمی حالتوں کے درمیان۔

اس لڑکی کی حالت ہنوز ویسی ہی تھی اسکرین پر اٹھتی لہریں اس کی زندگی کا پتا دے رہی تھیں۔ عاصم بخاری اور رضا مراد کو واقعی فیروز نظامی سے محبت تھی وہ ان کا ہر دلعزیز دوست رفیق' مہربان تھا۔ اس کی محبتوں کا قرض وہ اسی طرح سے اتار سکتے تھے۔

بلا ناغہ ان کی بیٹی کی خیریت معلوم کرنے آ رہے تھے۔

آتا تو اکبر داؤد بھی تھا مگر کھڑے کھڑے آتا ڈاکٹرز سے ساری صورت حال معلوم کرتا اور پھر انہی قدموں سے پلٹ جاتا حتیٰ کہ اس نے یہ تک معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہاسپٹل کے اخراجات کہاں سے ادا ہو رہے ہیں۔ ہو سکتا تھا اس کے ذہن میں یہ ہو کہ جس نے یہ حادثہ کیا ہے جو اس کا ذمہ دار ہے وہی سارا بار اٹھائے۔

اس بات سے عمر آفندی کو انکار نہیں تھا کہ ان کا فرض بھی بنتا تھا۔ مگر اکبر داؤد اس لڑکی کو بہو بھی تو کہہ رہا تھا اس رشتہ کے ناتے وہ پوچھ سکتا تھا۔ غیرت و حمیت کا سوال تھا کہ میری بہو کا علاج دوسرے کیوں کریں۔ مگر یہ جذبہ شاید اس میں تھا ہی نہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ بہت دن ہو گئے تھے۔ ان کا بیٹا ایک بار بھی اپنی بیوی سے ملنے نہیں آیا تھا۔ کیوں! اس پر کس قسم کی پابندی تھی۔ وہ تو علی الاعلان آ سکتا تھا۔ راستے میں تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی پھر آفس میں اکبر داؤد کا ہتک آمیز رویہ۔

علی آفندی نے اندازہ لگایا تھا کہ اکبر داؤد کی تو پوری کوشش ہے کہ علی اس آفس میں نہ آئے اور وہ اس سارے بزنس کا کرتا دھرتا بن جائے۔ لڑکی ذات کو تو ہر طرح سے لوٹا جا سکتا تھا۔

مگر وہ شاید ابھی یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ عمر آفندی جیسے ذہین و فطین مخلص، پر خلوص شخص سے پڑا ہے جو ہر حال میں اپنی زیادتیوں کا کفارہ ادا کرنا جانتے ہیں۔ چنانچہ اب انہوں نے باریک بینی سے اکبر داؤد کی حرکتوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

سب باتوں نے مل کر عمر آفندی اور ڈاکٹر شہزاد کو محتاط کر دیا تھا' اس لڑکی کے لیے ڈاکٹر شہزاد کے دل میں ہمدردی ہی نہیں ایک دوسرا جذبہ بھی جنم لے رہا تھا۔

اس لڑکی کا چیک اپ روزانہ بہت احتیاط توجہ سے ہوتا گا ہے بگاہے بڑے ڈاکٹرز سے مشورہ بھی ہوتا رہتا۔ سب ہی اس لڑکی کی جانب سے فکر مند تھے۔

اکبر داؤد کے چہرے پر تفکر کے اثرات نہیں ہوتے تھے۔ بس ایک فرض ہوتا جسے وہ پورا کر دیتا' اس کے عزائم ذرا مختلف تھے۔ مختلف سوچ رکھتا تھا اندر سے وہ کینہ پرور اور ایک ریاکار شخص تھا۔

اس لڑکی کی آتی جاتی سانسیں ٹوٹ جاتیں تو بلا شرکت غیرے وہ تمام بزنس کا مالک بن جاتا' بصورت دیگر اسے اس صورت میں آدھے پر اکتفا کرنا ہوتا ویسے لڑکی کی زندگی کی اُمید کم ہی تھی۔

شیشے کے پار اس کی ناگفتہ بہ حالت ہے یہ ہی اندازہ ہوتا تھا اندر ہی اندر اس نے ایک نیا کھیل شروع کر دیا تھا۔ حرص' ہوس کا کنبہ' خود غرضی کا' اُس کا شاطرانہ

ذہن نئی چال چل رہا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم سر! علی۔'' آزادانہ اس کے آفس کا دروازہ کھول کر داخل ہو گیا۔

''تم!'' اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''وعلیکم السلام۔'' بادل نخواستہ جواب دیا۔

''دراصل مجھے اس ایک بل کے بارے میں کچھ معلومات کرنی تھیں ... فائل ڈسکس کرنا تھا۔'' علی سکون سے کسی ''بل'' کے پروا کئے بغیر سامنے بیٹھ گیا۔

بلیو فائل اور رسید دیکھ کر لمحہ بھر کو اکبر پزل ہوا' مگر خود کو نارمل ظاہر کیا۔

''کس قسم کا بل ہے۔'' اس نے تجاہل عارفانہ انداز اختیار کیا۔ ''یہ فائل کیسی ہے۔''

''یہ بل ہے شاید آفس کی ڈیکوریشن کے لیے بنایا گیا ہے۔'' ایک کاغذ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

''اوہ!۔۔۔ ہاں دراصل فیروز کو بہت شوق تھا آفس کو فرنشڈ کرنے کا یہ اس کی زندگی ہی میں پروگرام بنا تھا عملدر آمد اب ہو رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بھی کوشش اس قسم کے حالات میں احمقانہ ہے فیروز نظامی اپنی فیملی سمیت جان بحق ہو چکے ہیں ان کی بیٹی موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس آفس کو فی الحال ڈیکوریشن کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' علی نے ناقدانہ انداز چاروں جانب نظر اٹھائی۔

''مگر!'' اکبر نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر علی نے ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجہ اختیار کیا۔

''اور یہ فائل۔'' اس نے بلیو فائل میز پر رکھ کر کھولی۔

''یہ یہ تمہیں کہاں سے ملی تم آفس کی تلاشی لیتے ہو۔'' اس کا رنگ اُڑنے لگا۔

''یہ میں نے منیجر افتخار سے لی ہے شاید کسی نئے پرجیکٹ پر کام شروع کرنا ہے۔''

''ہاں یہ بھی فیروز کی زندگی میں ہی شروع ہوا تھا ہم نیا کاروبار شروع کرنا چاہتے تھے لیکن۔'' اس نے اپنے چہرے پر افسوس کے رنگ چڑھائے جو کہ اس درجے پھیکے تھے کہ مصنوعی ہونے کا گمان ہونے لگا۔

''فی الحال اس سلسلے کو بھی روک دیا جائے کسی نئی پیش قدمی سے بہتر ہے کہ اس بزنس کو بہتر بنائیں۔ ترقی کریں تاکہ ان کی دختر کو کوئی مسئلہ نہ سلجھانا پڑے یہ ہم سب کے لیے بہتر ہے۔''

''تم! تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ یہ ہمارا مشترکہ پروگرام تھا۔'' اکبر داؤد بھنا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ ایک بات بھول جاتے ہیں کہ ایک فریق زندگی ہار گیا ہے بزنس کے معاملے میں اب کوئی بھی نیا فیصلہ ان کی دختر کی منشا' اجازت اور رضامندی سے ہوگا۔ اور جب مشترکہ بزنس کی دستاویز تیار ہوئی ہوں گی تو ان پر کیا یہ تحریر ہے کہ ایک فریق کی غیر موجودگی میں دوسرا فریق کسی بھی قسم کا نیا فیصلہ کرسکتا ہے۔'' بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے علی نے بات کی وہ محسوس کر رہا تھا اکبر داؤد اندر سے پیچ و تاب کھا رہا ہے مگر یہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔

''تم! تم اس بزنس پر قبضہ جمانا چاہتے ہو۔'' اس کے اندر کی کھولن باہر نکلنے کو بیتاب تھی۔

''نہیں' اللہ کا دیا بہت کچھ ہے تین ممالک میں ہم لوگ بزنس کر رہے ہیں۔'' علی زیر لب مسکرایا۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہو تو میں وکیل سے بات کر لیتا ہوں۔'' علی کھڑا ہو گیا۔

اکبر داؤد اسے دیکھتا رہا شطرنج کی بساط پر یہ نیا مہرہ کہاں سے آ گیا تھا۔ سارے کے سارے پیادے تو اس کے ہمنوا بن گئے تھے۔

''میرا خیال ہے بات سمجھ آ گئی ہوگی عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے اور اشتراکیت کے

کاروبار کا اصول بھی یہ ہے شاید آپ پہلی بار مشترکہ کاروبار کرنے لگے ہیں۔''

''نہیں' یہ بات نہیں ہے'' اکبر نے بے اختیار پیشانی مسلی' چال الٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں چلتا ہوں! خدا حافظ۔'' علی نے ہاتھ بڑھایا' اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آفس سے نکل گیا۔ اکبر داؤد دیکھ سنانے کی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ اس کی مرضی کیا تھی اور یہ کیا ہو رہا تھا۔ بساط خود بچھا کر اپنی مرضی کے مہرے رکھے تھے۔ یہ کون چلتر آ گیا تھا چال چلنے کے لیے دماغ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

سفید چادریں اوڑھے وہ تینوں خواتین ڈرائیور کی ہمراہی میں دھیرے دھیرے چلتی ڈاکٹر شہزاد کے روم میں داخل ہوئیں وہ جو تیزی سے باہر نکل رہے تھے ٹکراتے ٹکراتے چونک کر سر اٹھایا۔

''بی بی جان آپ!۔۔۔ آنٹی' پلوشہ۔۔۔'' وہ دو قدم پیچھے ہٹے۔

''السلام علیکم! انہوں نے مودبانہ سلام کیا۔

''وعلیکم السلام جگ جگ جیو' شاد رہو' آباد رہو۔'' بی بی جان نے دعائیں دیں۔

مر نہیں آیا ابھی تک۔۔۔''

''بس آنے والا ہوگا' میں بھی اس کا انتظار کر رہا تھا۔''

''اور علی!''

''اسے بھی آج دیر ہوگئی۔''

''دراصل شہزاد بھائی جان کا فون آیا تھا کہ آپ لوگ اسپتال پہنچیں' میں بھی پہنچ رہا ہوں۔ ہم لوگ اس لڑکی سے ملنے آئے ہیں۔'' پلوشہ نے تفصیل بتائی۔

''اوہ! مگر عمر نے تو مجھ سے ذکر نہیں کیا۔''

"تو کیا ان سے ملنا مشکل ہوگا۔" پلوشہ بھی فکر مند ہوگئی۔

"نہیں وہ تو میرے اور ڈاکٹر رعنا کے زیر نگرانی ہیں پہلے دن سے آئی سی یو میں مکمل طور پر ہوش وخرد سے بیگانہ ہیں' صرف دیکھا جاسکتا ہے ملنا ناممکن ہے' شہزاد نے وضاحت کی۔

"مگر میں اس کے پاس جا کر اسے دیکھوں گی بیٹا' اس کا ہاتھ تھاموں گی پیار کروں گی کیسی بدنصیب لڑکی ہے پل میں ہی یتیم ہوگئی۔" ان کے چہرے پر دکھ رقم تھا۔

بی بی جان نے سرعت اپنا موقف دہرادیا۔

مگر انہوں نے کچھ کہنا چاہا' اسی پل عمر اور علی آفندی اندر آگئے۔

"اوہ آپ لوگ پہنچ گئے۔"

"عمر بی بی جان کیا کہہ رہی ہیں۔" شہزاد نے عمر آفندی کو دیکھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے شہزاد" شاید وہ اپنی مما کا لمس سمجھ کر ہوش میں آجائے۔" عمر آفندی بہت دلگرفتہ تھے۔

ڈاکٹر شہزاد نے دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"اوکے۔"

پھر ڈاکٹر شہزاد کی سنگت میں وہ لوگ باہر آگئے۔

پلوشہ اور اس کی والدہ اور بی بی جان نے شیشے کی دیوار کے پار سے اس کے نیم جان وجود کو دیکھا۔

جوتے اتار کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتی ہوئی بی بی جان ڈاکٹر شہزاد کے پیچھے انتہائی نگہداشت کے روم میں داخل ہوگئیں۔

ٹھنڈی لہر ان کے اندر اتر گئی بیڈ پر لیٹے نازک سے وجود ان کی آنکھیں آبدیدہ کردیں۔ قرآنی آیات زیر لب پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔ دھیرے سے اس کا سرد سا ہاتھ

اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اسے چوما' سہلایا' پیار کیا۔

وہ تو ان کی کچھ بھی نہیں تھی مگر ممتا جیسی گرمائی' ٹھنڈک وسکون مل کر اس پر امنڈ نے کے لیے بے اختیار ہوگیا' آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔

ڈاکٹر شہزاد چونک گئے' لڑکی کا ہاتھ بی بی جان کے ہاتھوں میں تھا اس کے پاؤں انگوٹھے میں خفیف سی جنبش ہوئی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ۔" ڈاکٹر جلدی سے اسے چیک کیا دائیں آنکھ دھیرے دھیرے لرز رہی تھی۔

بی بی جان نے آنکھیں موندیں' اس کا ہاتھ لبوں سے لگائے کچھ پڑھتی جارہی تھیں' اور اس پر برابر پھونکتی جارہی تھیں۔ یہ قرآنی آیات کی اثر انگیزی پرخلوص جذبوں کا کمال تھا یا خدا کی قدرت' لڑکی کو ہوش آگیا تھا۔

صبح تک وہ مکمل ہوش میں آجاتی۔ ابھی تک صرف خفیف سی جنبش ہوئی تھی۔

"شکریہ بی بی جان از حد شکریہ۔" شہزاد واپس کندھوں سے تھام کر محبت سے باہر لے آئے۔

"جو کام ہم لوگ پچھلے پندرہ دن سے نہ کرسکے وہ آپ کے پرخلوص آنسوؤں محبت بھرے انداز' اور دعائیہ لہجے نے کردیا۔"

بی بی جان کی آنکھیں بھیگ گئیں یہ تو بس خدا کی قدرت تھی۔

ڈاکٹر شہزاد نے سب کو یہ خوشخبری سنائی سب نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ علی سب کو چھوڑنے گھر چلا گیا۔

"شہزاد' عمر آفندی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔" اس کے بعد کیا ہوگا۔"؟

"کیا مطلب اس کے بعد۔" وہ شاید کچھ سمجھے نہیں تھے۔

"اس کے گھر والے۔" عمر نے ٹھنڈا گہرا سانس لیا۔

"اوہ!" لحظہ بھر کو وہ بھی خاموش ہو گئے۔

"ٹیک اٹ ایزی عمر خود کو نارمل رکھو خدا کے کاموں میں جانے کیا مصلحت ہوتی ہے وہ بہتر جانتا ہے۔"

"جب اسے اس حقیقت کا احساس ہوگا کیا ردعمل ہوگا یہ حادثہ اس کے لیے کہیں ۔۔۔"

عمر کی پیشانی پر فکروں کا جال بچھنے لگا۔

"ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اسے یہ سب بتایا جائے' دماغ پر گہری چوٹ لگی ہے ابھی تو یہ دیکھنا ہے کہ زخموں نے کیا اثرات چھوڑے ہیں۔"

"پھر بھی' شہزاد وہ پوچھے گی تو!" عمر کی ہنوز وہی کیفیت برقرار تھی۔

"ہوں!" شہزاد نے لحہ بھر کو سر جھکا کر کچھ سوچا۔

"فی الحال تم تو خود کو نارمل کرو میں اندر جا رہا ہوں خدا سے بہتری کی دعا کرو اور یہ یاد رکھنا کہ خدا اپنے بندوں کو اتنی ہی آزمائش میں ڈالتا ہے جتنی وہ برداشت کر سکیں۔" شہزاد نے دھیرے سے عمر کا شانہ تھپکا' ریلیکس ہونے کی ہدایت کی اور آگے بڑھ گئے۔

عمر کے تفکرات بے جا نہیں تھے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

لیکن اب حقیقت جو بھی ہو اسے فیس تو کرنا ہی ہے نا۔

صبح تک اسے ہوش آ گیا۔

صبح کے سپید جالوں میں اس نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھ کو کھولنے کی کوشش کی تھی۔

تکلیف کے آثار نمایاں تھے' اس کے پاس آکسیجن ماسک اور دوسری چیزیں ہٹا دی گئیں طویل بھیانک خواب سے وہ بیدار ہو گئی تھی لیکن افسوس صد افسوس اس سے زیادہ بھیانک اذیتناک خواب ایسی حقیقت کا سامنا تھا' جو ابھی فی الحال چھپایا گیا تھا۔

عاصم بخاری اور رضا مراد ادھر ہی سجدہ شکر بجا لائے اس سے ان کی محبتوں کا اندازہ

ہوتا تھا۔ اکبر داؤد نے کتنے ہی نوٹ فقیروں میں بانٹ دیئے۔

"میرے گھر کی رونقیں واپس آ گئیں۔"

"ایک بات تو بتایئے صاحب۔" اچانک علی ان کی جانب جھکا اکبر داؤد نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ علی کی باتوں اور سوالوں سے اسے ڈر ہی لگا کرتا تھا۔

"کیا!" اکبر نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"آپ یہ بات کس طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لڑکی ہی آپ کی بہو ہے۔"

"کیا مطلب!" وہ چونک گیا۔

"اور کیا' آپ اور ہم میں سے کسی نے بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ شیشے کی دیوار کے پار کیا پہچان ہوگی ہے پھر اتنے باوثوق انداز میں آپ اسے بہو کہہ رہے ہیں۔" علی کا لہجہ ذو معنی تھا۔

"ابھی تو اس بات کا تعین ہوگا کہ یہ لڑکی چھوٹی ہے یا بڑی' نایاب ہے یا نگین ۔۔۔ آپ کی بہو ہے یا نہیں۔"

"برخوردار!" اکبر داؤد نے لفظوں کو چبایا۔

"اپنے ہوش حواس میں رہو یہ میری بہو ہے میں نے اس کا سرد وجود دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

"ماسک! آکسیجن ماسک میں چھپا چہرہ ہونے کے باوجود۔" علی کا انداز ذومعنی تھا۔

اکبر داؤد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ تیکھے سوال کرنے والے اس لڑکے کو سالم نگل لے۔

اور معنی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔

بات تو ٹھیک مگر بات تھی رسوائی کی مانے گا کون۔

"میں ۔۔۔۔۔ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں کیا' دیکھ لینا تم بھی۔" اکبر نے دانت پیس کر کہا۔

اسی وقت ڈاکٹر شہزاد نے آکر اس کے بارے میں اچھی خبر دی۔ ہوش آ گیا تھا اسے۔

''کیا میں اس سے مل سکتا ہوں۔'' اکبر داؤد کے لہجے میں بے قراری تھی۔

''کیوں نہیں لیکن ذرا ٹھہر کر ابھی اس صورت حال میں اس سے ملنا مناسب نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے رسان سے سمجھایا۔

☆☆☆

آنکھ کھول کر پہلی نگاہ' جس پر پڑی وہ ڈاکٹر شہزاد اور عمر آفندی کے چہرے تھے۔ شدید نقاہت اور طویل بے ہوشی کی وجہ سے دونوں چہرے گڈمڈ ہو کر دائرے بن گئے۔

''امی' امی' ابو۔'' دھیرے سے ہونٹوں سے نکلا۔

ڈاکٹر شہزاد اس کے قریب جھکے۔

''آپ اب کیسی ہیں؟''

''میں!'' یک بیک آنکھیں کھول لیں۔ مگر نقاہت غالب تھی۔

''میری بات سن رہی ہیں آپ؟''

''میں کہاں ہوں!'' اس نے بند آنکھوں سے سوال کیا چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔

''آپ۔۔۔اب اسپتال میں ہیں۔''

اس نے عمر کی جانب دیکھا اور جلدی سے آنکھ کھولی۔

''مجھے کیا ہوا ہے۔ یہ اتنا درد کیوں ہے یہ میری آنکھ۔'' بمشکل اس نے آنکھ کھولنی چاہی۔

''آپ اسپتال میں ہیں آپ کو کچھ یاد ہے کیا ہوا تھا۔'' ڈاکٹر رعنا اس کے قریب جھکے۔

''م۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے۔'' اس نے آنکھیں بند کیں وہ شاید ذہن پر زور دے رہی تھی۔

''امی' ابو۔'' اس نے جھٹکے سے آنکھ کھول دی۔

''اف میرے خدا۔''

اس کی یادداشت ٹھیک تھی۔

''وہ سب ٹھیک ہیں' انہیں زیادہ زخم تو نہیں آئے۔'' اپنا درد تکلیف اذیت سب بھول کر اسے اپنوں کی فکر تھی۔

''سب۔۔۔سب ٹھیک ہے بیٹا تم فکر نہ کرو ذہن پر زور نہ دو۔''

ڈاکٹر رعنا نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

''اف شکر ہے۔'' اس نے سکون کا سانس لیا کتنا شدید حادثہ تھا۔

''میں ان سے مل سکتی ہوں نا۔'' سوالیہ انداز تھا۔

''بالکل۔۔۔۔ بالکل بیٹا بالکل مل سکتی ہو لیکن اس کے لیے پہلے تمہیں خود کو ٹھیک کرنا پڑے گا تمہیں بھی چوٹیں آئی ہیں۔'' تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ڈاکٹر رعنا اسے تسلی دے رہے تھے۔

''اف!'' اب اسے اپنے زخموں کی ٹیسوں کا احساس ہوا۔

''میری آنکھ میں بہت درد ہو رہا ہے' میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا۔''

''بالکل بیٹا! ہمت کرو زخم تو بہت معمولی ہیں۔''

''اب تم بالکل مت بولو شدید تکان تمہیں تکلیف دے گی' سو جاؤ اٹھو گی تو فریش ہو گی۔'' ساتھ ہی انہوں نے نرس کو اشارہ کیا نرس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو میں انجکشن لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہر جانب سے غافل تھی۔''

اب اٹھے گی تو بہت حد تک ریلیکس ہو گی۔''

ڈاکٹر رعنا ڈاکٹر شہزاد کے ساتھ باہر آ گئے۔

''لیکن ابھی اسے کچھ مت بتانا دماغی چوٹ ہے الٹا اثر نہ ہو جائے۔''

"لیکن کب تک ڈاکٹر رعنا آخر کبھی تو۔۔۔" عمر آفندی فکر مند تھے۔

"بے شک آخر اسے بتانا ہی ہے لیکن جب تک چھپایا جا سکتا ہے چھپاؤ کم سے کم' اس کے شدید زخموں کے بھرنے تک ورنہ وہ مایوس و مجبور ہو کر خود کو ہار سکتی ہے۔"

ڈاکٹر رعنا جیسے تجربہ کار ڈاکٹر انہیں رسان سے سمجھا رہے تھے بات ان کی سمجھ میں آ رہی تھی ۔لیکن ۔۔۔ اس لیکن سے آگے بہت کچھ تھا۔ جو انہیں فی الحال خود سے بھی چھپانا تھا۔

اسے بے ہوشی میں ہی پرائیوٹ روم میں منتقل کر دیا گیا۔اب اسکی حالت خطرے سے باہر تھی زخم بھی بہتر تھے۔ پیشانی کی پٹیاں کھول دی تھیں۔تاہم ٹانگ کا پلستر ہنوز برقرار تھا۔

بی بی' شام کو پھر اسے دیکھنے کے لیے آئی تھیں۔اس پر ڈھیر ساری سورتیں پڑھ کر پھونکیں انہیں اپنی رگ جان کے قریب محسوس ہو رہی تھی یہ لڑکی انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اسے اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گی۔ ملوشہ سے زیادہ چاہیں گی بے شک وہ اس کی مستحق بھی ہے۔

"اوہ یہ ہی میری بہو ہے۔" شام کو اکبر داؤد آیا تو اسے دیکھتے ہی بول اٹھا۔

"اب تو کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بضد تھا۔

"میری بدنصیب بیٹی' میری بہو! اس کے اشک مصنوعی لگ رہے تھے۔

"آپ کے برخوردار کہاں ہیں۔" عمر آفندی نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"وہ! وہ پڑھنے کے لیے امریکا گیا ہوا ہے اسے ہر بات کی خبر ہے مشکل یہ ہے کہ فی الحال وہ آ نہیں سکتا اس کے امتحان ہونے والے ہیں۔" اکبر داؤد نے رومال سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"اوہ! آئی سی۔" علی ذو معنی انداز میں گویا ہوا۔

"بہرحال فیصلہ تو ان کے ہوش و حواس میں آنے کے بعد ہوگا جب یہ اپنے منہ سے

اقرار کریں گی۔" علی کو ایک ضد ہو گئی تھی۔

اس کا دل اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا یہ شخص جھوٹا ہے' فراڈ ہے' اور وہ ایسے نادر و شاہکار موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔بس جھوٹ کا پول کھولنے کے لیے مناسب حکمت عملی کی ضرورت تھی۔

"تم ۔۔۔تم مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو' مگر میں نے بھی خدا کو منہ دکھانا ہے۔"

"یا خدا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سچ سچ ہے ہم نہیں چاہتے کہ اور کوئی دکھ ملے اس لڑکی کو۔"

"نایاب ۔۔ نایاب ہے اس کا ۔۔۔ نام! اکبر داؤد نے درمیان میں بات کاٹ دی۔

"بہرحال!" علی نے نام نہیں دہرایا اور اکبر داؤد پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

شام میں ہی رضا مراد' اس سے ملنے آئے۔

"کیا آپ ان کا نام بتا سکتے ہیں۔" علی آفندی نے اچانک پوچھا۔

"کیا مطلب! وہ چونک گئے۔

"ہاں ان کا نام کیا ہے آپ تو فیروز نظامی صاحب کے اچھے دوستوں میں سے ہیں۔"

"بے شک ان کے حلقہ احباب میں سے ہوں میں ۔لیکن ہماری ملاقات زیادہ تر آفس یا پھر کلب میں ہوتی تھی جہاں فیروز ٹینس کھیلنے آتا تھا۔گھر بہت کم جانا ہوتا تھا۔تاہم ان کے بچوں سے میری ملاقات ہوئی ہے بہت سلجھے ہوئے اور ذہین بچے تھے فیروز نظامی کے دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ٹینا اور مینا۔" رضا مراد کے لہجے میں محبت تھی۔

"ٹینا ۔۔۔۔۔۔ اور مینا۔" ڈاکٹر شہزاد' عمر آفندی اور علی چونک گئے ۔جبکہ اکبر داؤد کے بقول یہ نایاب تھی ان کی بہو۔

"انکل ان کے اصل نام کیا تھے یہ تو نک نیم ہوئے۔"

"اصل نام! یہ تو مجھے معلوم نہیں فیروز اکثر ان ہی ناموں سے ذکر کرتا تھا۔"

''اچھا!'' معاملہ اور الجھ گیا تھا' تاہم کچھ اور بتانا ابھی ضروری نہیں تھا اصلیت خود بخود سامنے آجاتی۔

عاصم بخاری نے بھی اس قسم کی صورتحال کا ذکر کیا' تاہم ثمینا اور مینا ہی بتائے صورت حال خاصی مشکوک ہوگئی تھی۔

اکبر داؤد بضد تھا کہ نایاب ہی ان کی بہو ہے۔

صبح جب بی بی جان جھکی پھونک مار کر اس کی پیشانی چوم رہی تھیں کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔



''بیٹا کیسی ہو اب' انہوں نے دھیرے سے ہاتھ تھام لیا' لہجے میں گہری محبت تھی۔

''میں۔۔۔میں۔۔آپ کون ہیں؟'' اس وقت وہ درد کے کسی بھی حملے زد میں نہیں تھی' یا پھر شاید اسے اطمینان تھا کہ وہ ٹھیک ہے اور اس کے اپنے بھی بخیر وعافیت ہیں۔

''مجھے تم بی بی جان کہہ سکتی ہو سب کی بی بی جان ہوں میں۔' عمر کی دادی جان۔''

''عمر کون؟''

''عمر! تم عمر کو نہیں جانتیں وہی جو۔''

''کیسی ہو اب تم!'' اسی پل سسٹر اندر آگئیں۔

''میں ٹھیک ہوں یہ آنکھ کی ڈریسنگ تنگ کر رہی ہے کب کھلے گی اور میرے ابو امی کیسے ہیں آج تو میں ان سے مل سکتی ہوں نا۔'' بی بی جان جہاں تھیں وہی تھم گئیں ساکت تو سسٹر ماریہ بھی ہوگئی۔

''بولو نا کیسے ہیں وہ سب۔''

''ڈاکٹرز تمہارے بارے میں بالکل بھی فکر مند نہیں ہیں انشاء اللہ آج تمہاری پٹی کھل جائے گی مگر تم فی الحال چل نہیں سکتیں۔''

نرس نے اس کے بقیہ سوالوں کو نظر انداز کر کے تسلی بخش جواب دیا۔ اور خود کو ادھر ادھر چیزیں رکھتے ہوئے خاصا مصروف ظاہر کیا اس کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہ تھا سسٹر ماریہ کا دل بھی اندر سے اشک بار تھا۔

"آپ ان کے پاس موجود ہیں نا! میں ذرا دوسرے روم کا راؤنڈ لے آؤں۔ اس نے بی بی جان کو مخاطب کیا۔

"ہاں کیوں نہیں' آج میں سارا دن اسی کے پاس گزاروں گی۔"

"کیوں! کیوں!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم مجھے بہت اچھی لگی ہو اور یہ عمر کا آرڈر بھی ہے کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔"

"مجھے' مجھے نہیں تو' مگر آپ پہلے میرے ابو امی کے بارے میں بتائیے کس روم میں ہیں انہیں زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں آج میں ان سے مل لوں گی نا۔" اس کا لہجہ ملتجی سا ہو گیا۔

"بیٹا ابھی تم چل نہیں سکتیں۔"

"تو پھر انہیں میرے پاس لے آیئے کیسے ملاقات ہو گی کیا وہ میرے بارے میں فکر مند نہیں ہیں۔"

"ہیں' بیٹا فکر مند ہیں' تم ضرور آج ان سے ملنا۔" ان کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

"پہلے تم یہ ناشتا کر لو ٹھہرو میں خود تمہیں کرواتی ہوں۔"

وہ خاموشی سے ان کے کہے پر عمل کرتی چلی گئی۔

"گڈ' گڈ بلکہ ویری گڈ۔" ڈاکٹر رعنا اور ڈاکٹر شہزاد اندر آ گئے۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی بی بی جان اس کے سامنے تھیں۔

"ڈاکٹر صاحب میرے امی ابو ٹھیک ہیں نا میں کب ملوں ان سے۔" بے چینی سے پوچھا۔

"آج تمہاری آنکھ کی پٹی کھلے گی اور تم جب تک نہیں مل سکتیں جب تک تم خود چل پھر نہ سکو۔" ڈاکٹر رعنا اسے چیک کر رہے تھے۔

"تو ان لوگوں کو میرے پاس لے آیئے۔" لہجے سے بے چینی ہویدا تھی۔

کمرے میں یک لخت سناٹا چھا گیا وہ اپنے ہوش و حواس میں تھی۔

"زیادہ باتیں کرنا تمہارے لیے مناسب نہیں ہے بالکل خاموش رہو ڈاکٹر شہزاد آپ ان کی پٹی کھولنے کی تیاری کریں۔"

"او کے!" ڈاکٹر نے فرمانبرداری سے سر جھکا دیا۔

"پلیز ڈاکٹر!" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"ٹیک اٹ ایزی' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چہرے پر سنجیدگی تھی اور کچھ ایسا رعب اور دبدبہ تھا کہ مزید کچھ اور سننے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی اس میں وہ خاموشی سے ان کے کہے پر عمل کرتی چلی گئی۔

خاصی باریک بینی سے اس کی آنکھ کا معائنہ ہوا' آنکھ شدید زخمی تھی بصارت زائل ہونے کا خدشہ تھا۔ لیکن اس نے کہا کہ مجھے ٹھیک نظر آ رہا ہے بس دھند بہت ہے تکلیف ہو رہی ہے۔

"انشاء اللہ وہ بھی ٹھیک ہو جائے گی شکر کرو بصارت پر کچھ اثر نہیں ہوا۔" ڈاکٹر نے دوبارہ زخم صاف کر کے بینڈیج کروا دی دیگر زخم بھر بھر چکے تھے دائیں ٹانگ کا پلاسٹر فی الحال نہیں کھلا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال پوچھتی' ڈاکٹر رعنا ساتھی ڈاکٹر کے ساتھ سرعت سے باہر نکل گئے اس کی آنکھ میں آنسو لرز کر رہ گیا سسٹر ماریہ بھی باہر نکل گئی۔

"یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"جب مجھے اتنی چوٹیں آئیں تو ابو کو کتنی چوٹیں آئی ہوں گی جبکہ امی بھی آگے ہی بیٹھی تھیں ٹیٹا کا جانے کیا حال ہو گا' یقیناً" ان کے بھی شدید چوٹیں آئی ہوں گی جو یہ سب ان سے ملنے نہیں دے رہے۔"

اس کے دل نے رسان سے سمجھایا یک لخت ہی جسم و جان میں بے چینی و بے قراری پھیل گئی۔ وہ ان سب کو دیکھنا چاہتی تھی مگر کوئی صورت نہ تھی۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اطلاع اس کے دل کو مطمئن نہیں کر پا رہی تھی بی بی جان اندر آ گئیں اس مہربان، شفیق خاتون سے خود بخود ہی انسیت ہو گئی تھی، وہ صبح سے ہی اس کے ساتھ تھیں۔

''ڈاکٹر کی رائے بہت اچھی ہے تمہارے بارے میں۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''کیا آپ میرے گھر والوں سے ملی ہیں۔'' شاید ان کے جواب سے تسلی ہو جائے۔

''آں ہاں، کیوں نہیں سب ٹھیک ہیں۔'' وہ نظر چرا کر بولیں۔

ابھی ابھی ڈاکٹر شہزاد نے ساری صورتِ حال سمجھائی تھی، جھوٹ سے کام لینا ان کی مجبوری تھی ان کا مختصر سا جواب بھی اسے مطمئن نہ کر سکا۔ بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھ بند کر لی، عجیب ملگجا سا اندھیرا ہر سو پھیلنے لگا بی بی جان محبت سے اسے دیکھتے ہوئے جائے نماز بچھا کر اُس کے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے نماز کی نیت باندھ لی۔

''یہ عمر کی دادی جان ہیں مگر عمر کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں ہے ابھی تک'' انہیں خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتے دیکھ کر اس نے سوچا۔ اور آنکھیں موند لیں۔

معلوم نہیں ان کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی تھی کس قدر خوش باش ہنستے گاتے ڈیک بجاتے آ رہے تھے۔ کتنا چھیڑ رہی تھی وہ ٹینا کو۔

اور ۔۔۔۔ اور ٹینا کس قدر خوش تھی اس منگنی پر کتنی اچانک ہی تو بات طے ہوئی تھی۔

امی، ابو، ٹینا اور وہ کتنے عرصے بعد گھومنے پھرنے نکلے تھے نصر بھائی کے جانے کے بعد تو ابو صرف بزنس کے ہو کر رہ گئے تھے۔

نصر بھائی نے ہرٹ بھی تو کتنا کیا تھا انہیں اکلوتے بیٹے سے امیدیں تو وابستہ ہوتی ہیں یہ امیدیں اگر ٹوٹ جائیں تو پھر انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ اولاد کا دکھ زندہ درگور کر دیتا ہے۔

ابو نے بھی ڈس ہارٹ ہونے کے بعد روبوٹ کی شکل اختیار کر لی تھی۔

بزنس سے ہٹ کر انہوں نے کام نہیں کیا تھا۔ کلب، پارٹیز سب چھٹ گئے تھے۔

یہ مینا کی ہمت تھی کہ انہیں شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے راضی کیا تھا۔

وگرنہ تو نصر بھائی نے ابو کے وجود کی طنابیں ہلا کر رکھ دیں تھیں۔ ابو امی کتنا عزیز رکھتے تھے نصر بھائی کو کس کس طرح نہیں پالا تھا۔ ان کے حوالے سے کتنے خواب دیکھے تھے۔ سب کچھ نصر بھائی کا تو تھا۔ مگر انہیں باہر جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کا جنون تھا۔ امی اس بات کے حق میں نہیں تھیں۔ مگر ابو نے انہیں راضی کر لیا تھا۔ اکلوتے بیٹے کی قابلیت ان کا ہی سر فخر سے بلند کرے گی۔ ان کے بزنس کیلئے ترقی کی راہیں مزید ہموار ہونگیں۔ انہیں ترقی کے حوالے سے نئی جہد اور آگہی ملے گی۔

نصر بھائی چلے گئے گھر میں یکدم سے خاموشی نے جامد سناٹے کی شکل اختیار کر لی۔ شرارتیں، دلچسپیاں، قہقہے وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے ان کی یاد میں سب ہی ایک دوسرے سے چھپا کر آنسوؤں کو چراتے تھے۔

نصر بھائی اور ان سب کے درمیان رابطہ تھا۔ ابو ہی فون کرتے اور ان سب کی بات ہوتی تھی۔

پھر اچانک جانے کیا ہوا، فون پر رابطہ کم کم ہونے لگا۔

دو سال ہونے لگے تھے انہیں گئے ہوئے۔ اصولاً تو انہیں اب واپسی کی تیاری کر لینا چاہیے تھی۔ ان کا آخری سمسٹر بھی ختم ہو گیا تھا۔ رزلٹ کا انتظار تھا۔ انہوں نے کتنے یقین سے کہا تھا بس میں آئندہ چند ہفتوں میں پاکستان پہنچ رہا ہوں۔ آپ سب کے درمیان۔ ان کے درمیان خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کس قدر سرشاری و بشاشت لوٹ آئی تھی ابو کے اندر۔

مگر..... مگر انہوں نے کیسا رزلٹ دکھایا تھا۔

ابو میں نے یہاں جینی سے شادی کر لی ہے۔ میں اُسے اپنے ساتھ لانا چاہتا ہوں

آپ سب کی اجازت سے......اور......

اور ریسور فیروز احمد کے کان کے ساتھ چپکا رہ گیا۔ان کا رنگ زرد اور چہرہ پھیکا پڑھ گیا۔

بابا کیا ہوا!......ٹینا نے ریسور لے لیا مگر فون بند ہو چکا تھا۔

اور۔اس دھماکے نے گھر والوں کے اعصاب شل کر دیئے۔

اکلوتے بیٹے۔اکلوتے بھائی کے دکھ نے انہیں رلا دیا۔یہ سب تو ان کے خواب میں بھی نہیں تھا وہ تو ان کی آمد کے منتظر تھے ان کیلئے لڑکیاں بھی دیکھنا شروع کر دیں تھیں۔مگر انہوں نے کتنے آرام سے ان سب کی دل خوشیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔

گزرے سال میں پھر نصر بھائی نے رابطہ نہیں کیا ابو گم سم' خاموش ہو گئے۔

امی خود گریہ زری میں مبتلا' خاموش دعا بن گئیں تھیں۔

اکلوتے بیٹے سے کیا کیا توقعات تھیں۔ابھی تو اُس کی جدائی کے جانے کیسے گزرے تھے کہ اُس نے تا عمر ہجر کی خبر سنا دی تھی۔

یہ احساس ہی سوہان روح تھا کہ وہ چہرہ اب نظر نہیں آئے گا' کیا اس نے کچھ نہیں سوچا ہوگا۔ابو نے خود کو بزنس میں مصروف کر لیا تھا۔یہ خبر سب کیلئے نا قابل قبول تھی۔ا۔ے۔ ایک غیر مسلم لڑکی کو گھر لانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔اس لئے ابو نے خاموشی اختیا کر لی تھی۔

زندگی تاسف' ملال' حزن کے درمیان نہیں گزر سکتی۔ابو پر صرف نصر بھائی کا ہی نہیں ان سب کا حق تھا۔اس لئے سب سے پہلے ٹینا نے خود کو سنبھالا تھا۔اور خود کو نصر بھائی کی جگہ کھڑا کرنا تھا۔

مدتوں بہنوں کی کوششوں نے امی کی بھیگی آنکھوں کے سمندر کو خشک کیا تھا۔امی جب انہیں آپ کا احساس نہیں تو آپ کیوں ان کے دکھ میں مبتلا ہیں۔آپ کو جینا ہے ہمارے

لئے۔ابو کیلئے۔اس گھر کیلئے۔نصر بھائی کی محبت نے ہماری اہمیت ختم کر دی ہے۔

زبیدہ فیروز نے بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔اور اپنے ساتھ لگا لیا۔

نہیں' تمہاری اہمیت اپنی جگہ وہ بھی میرا بیٹا تھا۔اکلوتا بیٹا۔

جب انہیں آپ کا احساس نہیں۔وہ خود غرض بن گئے ہیں تو آپ بھی ان آنسوؤں کو سمیٹ نہیں۔امی اس گھر کو اب اور مزید دکھ کی ضرورت نہیں ہے۔ابو کو آپ کی ضرورت ہے وہ کتنے گم سم ہو گئے ہیں۔اپنے دکھ سے نکل کر انہیں نے سنبھالیں اگر انہیں کچھ ہو گیا تو تو

اللہ نا کرے!......دہل کر اسے دیکھا۔

تو پھر وعدہ کریں کہ اب جانے والوں کی یاد میں اشک نہیں بہائیں گیں وہ تو اس بات کے مستحق ہی نہیں ہیں۔

پیار سے چپکارہ۔اور وہ مسکرا دیں۔

اس گھر کیلئے انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔دھیرے دھیرے ساکت ماحول میں ارتعاش پیدا ہونے لگا تھا۔مینا کی شوخی وظرافت نے ٹینا کی خدمت گزاری نے بہت حد تک ماحول کو بدل دیا تھا۔

ایک تفریح' ایک پکنک طویل سیر انہیں دکھوں کے حصار سے نکال سکتی تھی۔ماحول' آب و ہوا کی تبدیلی انسان کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔مینا نے ہی شمالی علاقہ جات کی سیاحت کا پروگرام بنایا تھا ابو بھی راضی تھے مگر شاید اس کا صبر آزما رہے تھے۔

''نہیں بھئی ہم لوگ اتنا کٹھن سفر افورڈ نہیں کر سکتے یہ سیاحوں کی ہی دردسری ہے۔''

انہوں نے واضح الفاظ میں اس کی خواہش کو رد کر دیا۔

''ابو سیاح بھی انسان ہوتے ہیں اپنے ملک کی سیاحت کوئی مشکل کام تو نہیں۔'' مینا کا منہ پھول گیا۔

''بے شک مشکل کام نہیں ہے مگر یہ فارغ البال لوگوں کے کھیل ہیں جانتی ہو تم کہ میں کتنا مصروف ہوں اس پر مستزاد پھیلتا ہوا بزنس اور کوئی ہاتھ بٹانے والا نہیں ہے۔''

ان کے لہجے میں اکلوتے بیٹے کی کج ادائی اور ہٹ دھرمی کا دکھ پنہاں تھا۔

''ابو میں جانتی ہوں آپ بہت اداس اور پریشان ہیں نصر بھائی کے جانے سے مگر یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے میرا وعدہ ہے آپ ریلکس ہونے کے لیے ہماری آفر کو قبول کریں واپس آ کر ہم دونوں آپ کے بازو بن جائیں گے۔''

مینا نے ٹینا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا' اسے بزنس وومین بننے کا بے حد شوق تھا یہی وجہ تھی اکنامکس اس کا بے حد پسندیدہ مضمون رہا تھا۔ ابو کو اکثر مشوروں سے نوازتی رہتی تھی بی کام کے سارے کورسز کر لیے تھے آج کل نٹنگ کی کلاسز اٹینڈ کر رہی تھی تا کہ آنے والی سردیوں میں اپنے ہاتھ سے سوئیٹر بنا کر ابو کو پہنا سکے۔

امی اور وہ کچن میں مصروف رہتی تھیں۔ مینا کو کہتی تو وہ ایک کان سے سنتی اور دوسرے کان سے نکالتی گزر جاتی۔ اس کے مشاغل ہی اور طرح کے تھے۔

''پھر چل رہے ہیں' میں پیکنگ کر لوں۔'' آجکل اس پر شمالی علاقہ جات دیکھنے کی دھن سوار تھی اس لیے فیروز نظامی کے سر تھی۔

''بیٹا جی۔'' انہوں نے محبت سے اسے دیکھا ''جانتی ہو کتنی مصروفیت ہے۔''

''ابو ریلیکس ہو کر تو انسان زیادہ بہتر انداز میں کام کر سکتا ہے۔'' کسی کے سمجھانے بجھانے کا اس پر اثر نہ تھا۔ ارادہ مصمم تھا اس لئے رک ہی نہیں سکتی تھی۔

''تم بھی تو کچھ بولو۔'' اس نے اندر آتی ٹینا کو اپنے ساتھ ملایا۔

'' مجھے ابو کی مصروفیات کا خیال ہے۔'' اسے چائے کا کپ دیتے ہوئے وہ شرارت سے بولی اور وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''بیٹا جب فرصت اور وقت ہوگا تو چلے جائیں گے کیوں خوامخواہ کی ضد کر رہی ہو۔''

زبیدہ فیروز نے سمجھایا۔

''امی ایسے کاموں کے لیے فرصت کبھی نہیں نکلتی ہمیں آرام و تفریح کے لیے خود وقت نکالنا پڑتا ہے۔ میری ذاتی کوئی خواہش نہیں ہے میں تو ابو کو ریلیکس کرنا چاہتی ہوں کہ وہ فریش مائنڈ کے ساتھ کام کر سکیں۔'' وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ فیروز نظامی نے اسے مسکرا کر دیکھا جواباً اس نے ایسی صورت بنائی کچھ کہا نہیں اس کی مسمسی صورت دیکھ ترس آ گیا۔

''اگر میں تمہیں اکیلے ہی سیر و سیاحت کے لیے بھیج دوں تو۔'' وہ زیر لب مسکرائے۔

''تو اس سے بہتر ہے کہ میں ایم کام کی کتابوں سے گرد جھاڑ کر ان کا مطالعہ شروع کر دوں۔'' وہ مکمل طور پر ناراض ہو کر اٹھنے کو تھی۔

''یہ زیادہ صحیح ہے انسان کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔'' وقت سرمایہ حیات ہے۔ اپنا جرنل چیک کرتے ہوئے ٹینا شرارت سے بولی جواباً اس نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا۔

''ابو آپ سب کی مرضی نہیں ہے تو نہ سہی کوئی زبردستی تھوڑی ہے انشاء اللہ پھر کسی وقت چلیں گے وقت نکال کر۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''نہ۔۔۔نہ۔۔۔'' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

''بچے ناراض نہیں ہوتے' میرا بیٹا اتنا سمجھدار' عقلمند ہے اس کی بات کیوں نہیں مانیں گے تم بھی کیا یاد کرو گی۔'' وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے اس کی رائے سے متفق ہو گئے۔ اس نے لمحہ بھر کو چونک کر انہیں دیکھا کہیں صرف وقتی راضی نامہ تو نہیں مگر ان کی نگاہوں میں یقین تھا۔

''ہرا!'' اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

''پھر ابو کب۔'' اس پر جلدی سوار ہو گئی۔

"صبح میں بکنگ کا بندوبست کرواتا ہوں۔" انہوں نے اس کے خوش باش چہرے کو دیکھا۔

"ابو زندہ باد"۔ اندرونی خوشی کا عکس اس کے چہرے پر تھا۔

"میں تیاری کرتی ہوں" وہ ایک دم سے باہر نکل گئی۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں پیچھے بزنس کون دیکھے گا" زبیدہ نظامی نے انہیں دیکھا۔

"ارے بیگم سب ہو جاتا ہے' بچوں کی خوشی سے زیادہ کچھ اہم نہیں ہوتا جانے آگے جا کر انہیں کیسا ماحول' حالات ملیں اس لیے بیٹیوں کی ہر جائز بات مان لینا چاہیے۔" یک لخت ہی ان کا لہجہ دھیما اور سنجیدہ ہو گیا۔ ماحول کی نزاکت دیکھ کر ٹینا برتن سمیت کر باہر نکل گئی۔

"اسی بہانے ہم لوگ اسلام آباد بھی چلیں گے اور ادریس علوی کے گھر والوں سے بھی مل لیں گے اگر جواد تمہیں پسند آ جاتا ہے تو منگنی کی رسم بھی ادا کر دیں گے۔"

فیروز نظامی کی بات درست تھی کسی قسم کے پس و پیش کی گنجائش ہی نہ رہتی تھی' وہ ان پر جتنا بھی فخر کریں کم تھا۔ بے شک ان کا جیون ساتھی نہ صرف قابل فخر بلکہ قابل ستائش بھی تھا۔

آج تک انہیں شکایت کا موقع نہیں ملا تھا۔ بہت خیال اور فکر رہتی تھی انہیں گھر کی جانب سے نصر کے جانے کے بعد تو وہ اور بھی حساس ہو گئے تھے۔

نصر آہ!" ان کے سینے میں سے سرد سی آہ نکلی۔ ان کا بدنصیب نافرمان بیٹا۔ سب کچھ اسی کا تو تھا جو امریکا سے پلٹ کر ہی نہیں آیا۔

"بس کرو بیگم کیا ساری نظر آج ہی لگا دو گی۔" اتنی محویت سے اپنی جانب دیکھتا پا کر فیروز نظامی شرارت سے بولے اور وہ شرمندہ ہو کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"بس کرو تم زیادہ کپڑے مت رکھنا ساری محنت میری ہے میں زیادہ کپڑے رکھوں گی وہاں زیادہ سیر کروں گی۔" اپنے کپڑے چیک کرتے ہوئے اس نے ٹینا کو غصہ سے دیکھا ٹینا ہنس دی۔

"اور کیا اب ہنسو' جب بولنے کے لیے کہو تو منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہو۔" اس نے مصنوعی غصہ سے اسے دیکھا۔

"اسی لیے کہ میری جان میں جانتی ہوں کہ تم اکیلی ہی کافی ہو۔" اس نے شرارت سے دیکھا۔

"اور مزے سب لیں۔" اس کے ہنوز وہی تاثرات تھے۔ جواب میں وہ کھلکھلا کر ہنس دی اس کے انداز پر

"ویسے ایک بات ہے۔" اپنی خفگی بھول کر تھوڑی دیر کے بعد اچانک اس نے کہا۔ وہ ایسی ہی تھی کوئی بھی بات زیادہ دیر تک دل میں نہیں رکھتی تھی۔ جو حق سچ بات ہے منہ پر دے ماری۔۔۔۔ اور پھر اتنی پیاری ٹینا سے وہ ناراض ہو سکتی تھی بھلا۔

"کیا!" ٹینا نے سر اٹھایا۔

"کچھ خاص کپڑے بھی رکھ لینا۔" اس نے لب دانتوں میں دبایا۔

"وہ کیوں' ویسے میرے سارے کپڑے ہی خاص ہوتے ہیں۔" وہ سمجھی نہیں۔

تم جانتی ہو میرا ہر سوٹ ڈیزائننگ لئے ہوتا ہے۔ اسے چڑایا۔

"میرا مطلب ہے وہ آرگنزا کا اورنج اور پرپل سوٹ بھی۔"

"کیا!" اب کے وہ چیخی' پاگل ہو گئی ہو کیا جھیل سیف الملوک کی سیر کرتے ہوئے وہ پہنوں گی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میں نے تمہیں پہننے کا مشورہ نہیں دیا صرف رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"فضول مشورے اپنے پاس رکھو تم رکھ لینا گرین سلمے دبکے والے کام کا سوٹ۔"

''اچھا ہوا تم نے بتادیا۔ وہ تو میں سب سے پہلے رکھوں گی۔''

وہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتری' چٹیا کو ہاتھ سے پیچھے کیا الماری میں گھس کر بڑا سا پیکٹ نکال کر بیڈ پر رکھا اور سوٹ نکالنے لگی ٹینا کو اس کی دماغی حالت پر شک گزرا۔

''تم تو پاگل ہوگئی ہو۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ پہنوگی۔''

''تمہارا مشورہ ہے تو کیوں نہ پہنوں گی۔'' وہ احتیاط سے سوٹ نکال کو بیگ میں رکھنے لگی۔

''نایاب۔'' جواب میں اس کے انداز میں کھلکھلا کر ہنس دی۔

''دفع ہوجاؤ'' وہ سٹ پٹا کر باہر نکل گئی۔

مینا اک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

اس نے امی ابو کی گفتگو سن لی تھی۔ اسلام آباد میں ادریس علوی صاحب کے بیٹے کا رشتہ آیا ہوا تھا وہ ابو کی بہت پسند تھا بس امی کو دکھا کر ان کا عندیہ لینا تھا۔ اسے یقین تھا کہ امی بھی پاس کردیں گی۔

نگین کے علم میں اگر چہ یہ بات تھی مگر کافی ہفتے ہوگئے تھے وہ سرسری سی بات سمجھ کر بھلا چکی تھی پھر خیال آ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ ان کا پروگرام تو کاغان گلت سوات اور ہنزہ جانے کا تھا۔

ٹینا نے مکمل طور پر نہ بتانے کا ارادہ کر کے چھیڑنے کا مستقل پروگرام بنالیا شوخی و ظرافت تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ہر وقت چہکتی کھلکھلاتی' گنگناتی رہتی تھی یہی وجہ تھی کہ ابو نے بچپن سے ہی نایاب کا نام مینا رکھ دیا تھا۔

''یہ میری بلبل ہے۔'' کہتے ہوئے محبت سے اسے گود میں بھر لیتے۔

جب سے ہی اسے نایاب کی جگہ مینا کہا جانے لگا' نایاب فیروز نظامی تو بس اسکول

کالج کی حد تک سمٹ کر رہ گیا اس کی کلوز فرینڈ بھی اسے مینا ہی کہتی تھیں۔

اور واقعی اس کے دم سے گھر میں رونقیں تھیں ورنہ ٹینا تو اپنے نام کے برعکس تھی سنجیدہ و متین اپنے کام سے کام رکھنے والی۔

نصر فیروز کی اپنی مصروفیات تھیں' وہ تو بس ضرورتاً ہی بات کرتا تھا۔ ''میں نے منیجر کو سب کچھ سمجھا دیا ہے بس دس پندرہ دن کی بات تو ہے۔'' انہوں نے ڈائننگ ٹیبل پر بتایا اگلے دن۔

''پھر دس پندرہ دن کے بعد تو میں آپ کا دایاں بازو بن جاؤں گی یہ ٹینا تو ایک دم فضول ہے پڑھ لکھ کر چولہا جلایا ہے۔'' اس نے مسکرا کر ابو کو دیکھا۔

''کیوں کیا پڑھ لکھ کر چولہا جلانا منع ہے کیا؟'' ٹینا نے مسکرا کر دیکھا لمحہ بھر کو وہ خجل سی ہوئی۔

''میرا مطلب ہے کہ کچھ ابو کی ہیلپ ہی کرا سکتی تھیں۔''

''سوری مجھے دو اور دو چار سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

وہ صاف پہلو بچا گئی۔ حقیقتاً اسے الجبرا' میتھ' کامرس سے دلچسپی نہ تھی۔''

تم دیکھنا میں کیسے دو اور دو پانچ کر کے بتاؤں گی۔ کیوں ابو۔؟'' اس نے تائید طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔ فیروز نظامی جو دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

بے شک جس انداز کی وہ حاضر جواب تھی دو اور دو پانچ بنا سکتی تھی۔

''ابو!'' وہ ان کے اس طرح ہنسنے پر کچھ شرمندہ ہوگئی۔

''نہ نہ بیٹا تو کسی اور بات پر ہنس رہا ہوں۔'' انہوں نے لہجہ بدل لیا۔

''میں نے کچھ غلط کہا تھا۔''

''نہیں بھلا میری مینا کچھ غلط کہہ سکتی ہے۔'' انہوں نے فوراً اس کے لفظوں کی تائید

کر دی۔

"دیکھ لو۔" اس نے فخر و انبساط سے ٹینا کو دیکھا۔

"اچھا ہوا فی الحال کوئی نیا ایگریمنٹ سائن نہیں کیا واپس آ کر کروں گا۔" کہتے ہوئے انہوں نے پلیٹ میں کباب رکھا۔

"بس اب آپ نے مجھے ساتھ ساتھ رکھنا ہے۔" "بالکل بیٹا میں بھی اس بات کا حامی ہوں لڑکیوں کو اپنی صلاحیتیں ضرور آزمانا چاہئیں' چاہے کسی بھی شعبہ میں ان کی دلچسپی ہو اگر تم میرے معیار پر پوری اتریں تو پھر میں تمہیں نئی برانچ کھول دوں گا اس کو چلانا۔"

"سچ ابو۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"سو فیصد سچ" انہوں نے بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اکبر داؤد اچھا آدمی ہے میرے ساتھ بزنس کرنا چاہتا ہے زبانی بات چیت تو ہو گئی ہے واپس آ کر کاغذات پر سائن کریں گے۔"

"لیکن ابو آپ کو پارٹنر شپ کی کیا ضرورت ہے ماشاءاللہ آپ خود ہی کافی ہیں۔" اس نے سمجھایا۔

"انسان کو ترقی کے مواقع ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔" فیروز نظامی نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے۔

"بے شک آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے بھی تائید کی۔

"ابو سیٹس کنفرم کروا لیں نا۔"

"ہوں! منیجر سے کہہ دیا ہے کل لے آئے گا۔"

"بس ابو ہم سب کی تیاری مکمل ہے۔ کتنے عرصے بعد ہم سب لوگ ساتھ کہیں جائیں گے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی۔

"اور انشاءاللہ ہر سال جایا کریں گے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر انسان کو

ضرور ریلیکس ہونا چاہیے تازہ دم انسان حاضر دماغی سے کام کر سکتا ہے۔" انہوں نے خوشی سے اعلان کیا۔

"ہرا۔۔۔ ابو زندہ باد۔" وہ خوشی سے چیخی ٹینا اور زبیدہ فیروز بھی مسکرا دیں' بڑی ہو گئی تھی لیکن بچپنا نہیں گیا تھا اس کا' ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی طرح اچھل کود کرتی تھی۔

☆☆☆

"نایاب" اس کا بیگ دیکھتے ہی نگین چیخی۔

"ہوں!" کیسٹوں کا انتخاب کرتے ہوئے اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"یہ کیا؟" اس نے حیرت بھری آواز پر سر اٹھایا۔ "کیا ہے۔"

نگین اس کے بیگ میں جھانک رہی تھی۔

"تم نے یہ زرق برق کپڑے رکھ لیے دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور' اور یہ ساری جیولری بھی۔" نگین حیرانی سے بیڈ پر گری۔

"تو اس میں اس قدر حیران ہونے والی کون سی بات ہے اب اتنے قیمتی ملبوسات اور میچنگ جیولری اہم جگہوں پر ہی تو پہنی جاتی ہے۔" کمال سنجیدگی سے اس نے اپنے اندر کی شوخی کو چھپائے رکھا۔

"نایاب۔" نگین بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم' تم باغوں' پارکوں میں گھومتے ہوئے' برف پر کھیلتے ہوئے' رائیڈنگ اور بوٹنگ کرتے ہوئے یہ پہنو گی۔" تحیر آمیز انداز میں اُسے دیکھ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا یہ کپڑے میرے نزدیک ایسی ہی اہم جگہوں پر پہنے جا سکتے ہیں۔"

"اور۔۔۔ اور یہ چوڑیاں' میک اپ' یہ سب بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے نکالو یہ سب بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" نگین نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا اور باہر نکل گئی اور مینا دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر خود ہی ہنستی رہی۔

دوسرے دن ٹکٹ آ گئے ان کی پہلی منزل کاغان، پھر سوات، ہنزہ اس کے بعد مری اور اسلام آباد تھے ٹکٹ ہاتھ میں تھام کر اسے یقین نہیں آیا کہ واقعی وہ لوگ جا رہے ہیں۔

''ایک خوشخبری اور۔'' فیروز نظامی نے تینوں کو متوجہ کیا۔

''وہ کیا ابو۔''

''واپسی پر ہم لوگ بائے روڈ آئیں گے۔''

''اوہ۔۔'' مینا کی تو من کی مراد پوری ہوئی لونگ دے پر ڈرائیونگ کرنا تو اسکو سب سے زیادہ پسند تھا۔ مگر اجازت شاذ و نادر ہی ملا کرتی تھی۔ اب راستے میں وہ ابو کی تھکن کا بہانہ کر کے سیٹ بدل سکتی تھی۔

اف سیر کا لطیف دوبالا ہو جائے گا۔

''میرا خیال ہے واپسی کے لیے بھی آپ بکنگ کروالیں اتنا لمبا سفر ہے وقت زیادہ صرف ہوگا' پھر آپ کے پاس بھی تو تھوڑے دن ہیں۔'' زبیدہ فیروز نے بروقت مشورہ دیا۔

''امی'' وہ ٹھنکی ''زندگی میں پہلی بار تو اس طرح سے گھومنے نکل رہے ہیں پھر جانے کب موقع ملے' ملے نہ ملے واپسی کا سفر ایسے ہی ٹھیک ہے سیر کا مزہ آ جائے گا۔

''سمجھا کرونا اب تمہارے ابو اتنی لمبی ڈرائیونگ کیسے کریں گے۔''

''امی میں جو ہوں ان کا ساتھ دینے کے لیے ابو کی شاگرد ہوں جانتے ہیں ابو میں کیسی ڈرائیونگ کرتی ہوں' کیوں ابو۔'' اس نے فخر سے کالر جھاڑے فیروز نظامی نے مسکرا کر شانوں پر ہاتھ رکھا۔

''تم بھول کیوں جاتی ہو بیگم ہماری بیٹی بہت اچھی ڈرائیور ہے۔''

''ہاں آپ کی ان ہی باتوں نے اسے سر پر چڑھالیا ہے۔'' انہیں غصہ آ گیا۔

''یہ میری بیٹی نہیں بیٹا ہے۔''

''آج کل کے حالات اس طرح کے سفر کی اجازت نہیں دیتے۔'' ان کے دل میں

خدشے پنہاں تھے۔

''تم بے فکر رہو ہم دن میں سفر کریں گے اور تمہیں بالکل صحیح و سالم تمہاری راجدھانی میں پہنچادیں گے۔'' انہوں نے مسکرا کر انہیں چھیڑا۔ ڈرائیونگ ان کا بھی تو پسندیدہ مشغلہ تھی اب تو گونا گوں مصروفیت کی وجہ سے ڈرائیور رکھنا پڑ گیا تھا۔

''جو دل چاہے کریں' آپ اور آپ کی بیٹی مجھے کیا۔'' وہ جل کر باہر نکل گئیں۔

''بیٹا آپ کی امی تو ناراض ہو گئیں پھر کیا خیال ہے۔''

''نہیں آپ ابو وہ ناراض نہیں ہوسکتیں انہیں کیا معلوم تھرل کیا ہے۔ واپسی پر ان کی پسندیدہ شاپنگ کروا دیجئے گا۔'' وہ یوں گویا ہوئی جیسے کسی بچے کو بہلانے کی بات ہو فیروز نظامی بے ساختہ ہنس دیئے۔

اور یوں یہ ہنستا مسکراتا چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا۔ نوکروں کو چھٹی دے دی گئی گھر میں تالا لگا دیا کوئی رشتہ دار تو یہاں تھا نہیں جس کو نگرانی کا کہتے۔ فیروز نظامی اکیلے تھے بہت طویل جدوجہد کی تھی انہوں نے۔

والدین کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ایک بہن تھی جونہی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا شدید موسمی بخار کا شکار ہو کر چل بسی یوں زندگی کی شبانہ روز جدوجہد شدید صعوبتوں کے ساتھ وہ تنہا نبرد آزما ہونے کو رہ گئے پھر انہوں نے اپنی محنت سے زندگی و حالات سے اپنا حق وصول کیا اور معاشرے میں ایک نام ایک مقام حاصل کیا دوست ہی رشتہ دار بن گئے تھے۔ ان کا اُس خالہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا جنہوں نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پرورش کی تھی اور بیوہ تھیں

زبیدہ انہیں اپنے دوست نظیر کے گھر ملی تھیں۔ وہ اس کی ممانی کے انتقال کا افسوس کرنے گئے تھے۔ جن کا انتقال کینسر کی وجہ سے ہو گیا تھا۔

پھوپھی بھائی کی بیٹی کو اپنے گھر لے آئی تھیں ایک ہی بیٹی تھی بھائی کی' زندگی کا طویل

سفر بھائی بہن کے سہارے نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس کا نکاح کر دیا گیا تھا اور دوسری ماں نے زبیدہ کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ سوگوار سنجیدہ سی لڑکی فیروز کو بہت اچھی لگی تھی، وہ بالکل ہی تنہا اور اکیلی تھی پھر اکثر وہ نظیر کے گھر جانے لگے مگر وہ نظر نہ آئی۔

انہیں ماڈرن، میک اپ سے لتھڑی ہوئی لڑکیاں قطعاً نہ بھاتی تھیں چونکہ خود بھی سادہ مزاج تھے اس لیے زندگی کے ساتھی کا انتخاب بھی ایسا ہی کرنا چاہتے تھے۔ جو ان کے سونے گھر میں بہار بن جائے۔ ان کی تنہائیوں کو سمیٹے۔ اور ان کی ہو کر رہے اس لیے انہوں نے زبیدہ کا انتخاب کیا جو بآسانی ان کی زندگی میں شامل ہو گئیں واقعی ان کی پسند نے انہیں مایوس نہیں کیا اور اپنے خیال وفکر سے ان کا دل موہ لیا اس زندگی پر وہ جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔

مگر ان کی زندگی میں بھی شاید دکھ ہی دکھ تھے۔ تھوڑے عرصے بعد خبر آئی کہ سوتیلی ماں اور باپ دونوں شدید حادثے کا شکار چل بسے جانے کیسی قسمت لے کر آئی تھیں وہ وقت ہر دکھ و زخم کا مداوا بن جاتا ہے صبر بھی آ جاتا ہے۔ ان کی زندگی میں نصر آ گیا پھر نگین اور پھر نایاب زندگی بے حد مصروف ہو گئی، پھپھو کا انتقال ہو گیا ان کی بہوویں نک چڑھی تھیں سو پھر وہاں جا ہی نہ سکیں۔

اس لیے تو مینا کہتی تھی ابو امی جب ہمارا کوئی رشتہ دار ہی نہیں ہے تو کہاں ملنے جائیں، بہتر نہیں ہے کہ گھومنے پھرنے نکل جائیں۔

دوست احباب بہت تھے دونوں کی سہیلیاں، ابو کے دوست، امی کی دوستیں۔

کاغان، سوات، ہنزہ میں انہوں نے لمحہ لمحہ سے لطف اٹھایا۔ ابو کا موڈ بھی بہت خوشگوار رہا، بھرپور طریقے سے ان کا ساتھ دیتے رہے امی تو تھکن کا بہانہ بنا کر اکثر ہوٹل میں ہی ٹھہر جاتی تھیں۔ ابو نا صرف انہیں بھرپور کمپنی دیتے تھے بلکہ خوبصورت جگہوں کی سیر بھی

کروار ہے تھے۔

دس دن تک انہوں نے خوب ہی انجوائے کیا ہر جگہ کی سیر وسیاحت کی۔

گیارہویں دن ابو نے کہا کہ اب اسلام آباد جانا ہے اور اس کے ذکر پر مینا نے ذومعنی انداز میں ٹینا کو دیکھا مگر وہ بڑے سکون واطمینان سے کھانا کھا رہی تھی۔

"ابو کہاں ٹھہریں گے وہاں؟"

"وہاں اگرچہ میرے بہت سارے دوست ہیں مگر دوستوں کے گھر ٹھہرنا کچھ معیوب سا لگتا ہے۔ اس لیے ہوٹل میں یا پھر کسی ریسٹ ہاؤس میں۔" انہوں نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تیاری کر لینا۔" کھانا ختم کر کے وہ ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گئے۔

"مینا تم نے وہ سب کپڑے تو پہنے ہی نہیں جو تم لے کر آئی ہو میچنگ کے ساتھ۔" اچانک ٹینا کو خیال آیا۔

"وہ تو میں مری میں پہنوں گی، برف پر پھسلتے ہوئے لونگ جمپ لگاتے ہوئے، غرارہ تو میں مال روڈ کی سیر کے دوران پہنوں گی۔"

نگین اسے دیکھے گئی، حقیقت میں اس کی ذہنی رو بہکی ہوئی لگ رہی تھی۔

"شکر ہے مجھے ایسا کریز نہیں ہے کپڑوں کا سادگی میں ہی ٹھیک ہوں۔" نگین کہتے ہوئے بیرے کو بلانے کے لیے بیل بجانے لگی۔

☆☆☆

"یہ کیا بدتمیزی اور بے ہودگی ہے یہاں اسلام آباد میں تمہارا اپنا گھر موجود ہے اور تم ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے ہو۔"

ایک فون پر ادریس علوی دوڑے چلے آئے اور آتے ہی شروع ہو گئے۔ فیروز نظامی اس محبت پر زیر لب مسکراتے رہے۔

''بھابھی آپ نے بھی اس گھامڑ کو کچھ سمجھانے کی کوشش نہ کی آخر ہے نا عقل سے پیدل چلو اٹھو سامان اٹھاؤ۔'' ان کے لہجے میں محبت بھرا استحقاق تھا۔

''یار ریلکس۔'' فیروز نظامی نے ان کے ہاتھ تھام کر پرسکون رہنے کا مشورہ دیا۔

''جب تک گھر نہیں چلے گا میرا سکون ختم تیری بھابھی بھی انتظار کر رہی ہے۔'' ان پر ایک ضد سوار تھی۔

زبیدہ نظامی بھی دھیرے اس خلوص ولگاوٹ پر مسکراتی رہیں مینا ٹینا شاید باہر تھیں۔

''اور بچے کہاں ہیں۔''

''سب ساتھ ہیں''

''حد ہوگئی ہے یار۔'' ادریس علوی سچ مچ ناراض ہو گئے۔

''کیا سوچتی ہوں گی بچیاں چچا کے ہوتے ہوئے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہیں ناک کٹوا دی میری بس اب مجھ سے بات مت کرنا۔''

''اماں اپنی ہی ہانکے جاؤ گے کہ میری فریاد بھی سنو گے۔''

''جس فریاد میں اثر نہ ہو سننا بے کار ہے۔'' انہوں نے منہ پھیر لیا۔ زبیدہ فیروز دونوں کی محبت اور یگانگت بھری لڑائی دیکھ رہی تھیں۔ دونوں کی دوستی بے ریا اور مضبوط تھی۔

''فی الحال اچھا نہیں لگتا یار تم خود جانتے ہو اس لیے میں نے یہ جگہ منتخب کی ہے۔

''میں واجد کو کہیں اور بھیج دیتا ہوں۔'' جواب حاضر ہے۔

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔'' انہوں نے مسکرا کر چھیڑا۔

''مگر یار ایسے اچھا نہیں لگتا۔'' فیروز نظامی ان کی مستقل مزاجی سے زچ ہو گئے۔

اسی لمحہ نگین اور نایاب اندر آ گئیں اپنی دھن میں ہنستی اور کھلکھلاتی' ہاتھوں میں چند پھول تھے اجنبی شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں وہ ابو کے بہت سارے دوستوں سے ملی نہیں تھیں۔

''آؤ بیٹا۔۔۔آؤ یہ میرے دوست ہیں ادریس علوی اور ادریس یہ میری بیٹیاں نگین

اور نایاب۔'' انہوں نے تعارف کروایا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے خوشدلی سے جواب دے کر سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور مینا کے ہونٹوں پر ذومعنی مسکراہٹ پھیل گئی جبکہ نگین سنجیدہ سی نیک بی بی بن گئی۔

''بہت پیاری بچیاں ہیں' کیا کرتی ہیں آپ لوگ؟

''انکل میں پڑھتی ہوں اس سال بی کام کیا ہے ایم کام کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔'' نایاب چہکی۔

''اور آپ'' نگین کی جانب نگاہ کی۔

''میں گریجویشن کر چکی ہوں۔''

''ماشاء اللہ' ماشاء اللہ۔''

انہیں دونوں بچیاں پسند آ گئی تھیں انہوں نے سوچ لیا تھا جواد اور اافواد کے لیے وہ دونوں کو لے لیں گے۔

''اچھا پھر کھانے پر تو شرف میزبانی بخش رہے ہو نا۔'' وہ دوبارہ فیروز کی جانب متوجہ ہوئے۔

''تم نے بلایا کب ہے۔'' اس لمحے فیروز نظامی کے لہجے میں بلا کی معصومیت تھی۔ ان کے انداز پر تینوں ماں بیٹیاں بھی ہنس دیں۔

''اچھا بابا'' اب تو بلا رہا ہوں آپ سب لوگ کل رات میرے غریب خانے پر کھانا تناول فرمایئے۔ فیروز نظامی اس انداز پر ہنس دیئے۔

''وضاحت کرو غریب خانہ یا دولت خانہ۔''

''اس کا تعین تم خود کر لینا اور سنو میں بھابھی کا لحاظ کر رہا ہوں۔۔۔ ورنہ۔۔۔'' وہ مکا تان کا ان کی جانب بڑھے۔ جواب میں انہوں نے ہنستے ہوئے انہیں گلے لگا لیا

دوستوں کی یہی پر خلوص باتیں تو اپنوں کے دکھ بھلا دیتی ہیں۔ پھر غیر ہی تو اپنے ہوتے ہیں اپنے کب اپنے ہوئے ہیں۔

دوسرے دن ادریس علوی کا ڈرائیور انہیں لینے آ گیا۔

''یار اس کی کیا ضرورت تھی ہماری پاس گاڑی تھی۔''

''اچھا تو اب گاڑی کا رعب جھاڑ دو گئے۔'' خفگی سے دیکھا' وہ مسکرا دیئے۔

''وسیع رقبے پر پھیلا ان کا بنگلہ دیکھ کر تینوں حیران رہ گئیں بے شک ان کا گھر بھی بڑا تھا۔ مگر یہ تو بہت خوبصورت اور بڑا تھا چاروں طرف باغ تھا جس میں موسم کے تمام پھل لگے تھے کناروں پر مختلف پھولوں کی قلمیں لگائی ہوئی تھیں۔ سرو اور سیب کے درخت کناروں پر ناریل کے قدر آور پیڑ۔

سرخ روش پر ان سب کے ساتھ چلتے ہوئے مینا نے سرگوشی کی۔

''ثینا یہاں بہت خوش رہو گی تم۔''

''میں!'' وہ ٹھٹھک کر رکی۔

''ہاں ہاں میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔''

''ہش۔'' ثینا نے اسے گھرکا'' بکواس بند۔''

بیگم ادریس اور ان کی دونوں بیٹیوں نے ان کا استقبال کیا بلاشبہ اندر سے بھی گھر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا آرائش اور زیبائش کسی ماہر کے ہاتھوں ہوئی تھی فرح اور ندا بہت جلد ان سے فرینک ہو گئیں اچھی لڑکیاں تھیں ان کی کمپنی میں کوئی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ بہت باتونی' دلچسپ فطرت کی تھیں جانے کہاں کہاں کے قصے سنا رہی تھیں کچھ دیر بعد علوی صاحب کے بیٹے آ گئے۔

''یہ جواد ہے انہوں نے ایم اے اکنامکس کیا ہے۔''

مینا نے تنقیدی نگاہوں کی زد میں لے لیا اس کے خیال کے مطابق یہ ہی بڑا بیٹا ہو سکتا

تھا۔

''یہ افواد۔۔۔ مستقبل کا سرجن۔''

فیروز نظامی نے محبت و خلوص سے ان کے سلام کا جواب دے کر پاس ہی بٹھا لیا۔

''اچھے گھر کا لڑکا ہے یہ۔۔۔ پر۔۔۔'' نایاب کی زبان پھر چلنے لگی۔

''ششش مینا' ابو کیا کہیں گے۔'' ثینا نے سرگوشی کی۔

''میں ابو کو نہیں تمہیں سنا رہی ہوں۔'' اس کی نظریں ادھر ہی تھیں ابو ان کا تعارف مکمل کروا چکے تھے مگر وہ بلند آواز میں بولے جا رہی تھی۔

''مجھے کیوں؟'' ثینا نے چونک کر اسے دیکھا پھر شرارت سے ہنس رہی تھی۔

''ثینا کی بچی ابھی سے پھسل رہی ہو۔'' وہ سنجیدہ بیٹھی پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

مینا پہلے ندا سے رخ موڑ کر باتیں کرتی رہی' گاہے بگاہے وہ جواد علوی پر بھی نگاہ ڈال لیتی جو سنجیدگی سے بیٹھے تھے۔

افواد شوخ و شریر لگا' اسکی آنکھوں میں شرارت تھی چہار جانب اس کی نگاہ تھی۔

اسے یقین تھا اگر یہ رشتہ پکا ہو گیا تو ثینا یہاں بہت خوشی رہے گی جواد بھائی کے ساتھ جوڑی بہت سجے گی۔ خود ہی اس نے سارے رشتے طے کر ڈالے پھر اپنی سوچ پر خود ہی خجل ہو گئی۔

فرح نگین کو لے کر باہر نکل گئی' مینا نے لمحہ بھر میں محسوس کر لیا کہ جواد اور افواد دونوں کی نگاہوں نے حد آخر تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

اس نے پاس پڑا میگزین اٹھا لیا چاروں مرد حضرات اب سیاست پر گفت و شنید شروع کر چکے تھے۔ امی اور بیگم علوی اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔ اس نے خود کو یہاں مس فٹ محسوس کیا' فرح اور ندا نے اسے آفر ہی نہیں کی تھی ساتھ چلنے کی' صرف ثینا کو لے کر نکل

گئیں۔ چند ثانیے اس نے میگزین کی ورق گردانی کی اور پھر اسے کونے میں رکھ دیا۔ اور کھڑی ہوگئی۔

کم از کم لان میں جا کر تو وہ خوش ہو سکتی ہے اس نے ذرا سا جھک کر آنٹی اور امی کو بتایا اور اور باہر نکل آئی۔

وسیع و عریض مہکتے لان نے اس کا استقبال کیا لان میں اس کی دلچسپی کا سارا سامان موجود تھا خاص طور پر وہ جھولا جو کاریڈور سے ذرا فاصلے پر لگایا گیا تھا۔ جھولے اسے بہت پسند تھے اس نے اپنے گھر کے لان میں بھی جھولا لگایا تھا۔ جھولے پر بیٹھ کر اونچائی بہت اونچائی پر جانا ٹھنڈی ہواؤں سے باتیں کرنا اسے بہت پسند تھا۔

امی ہمیشہ ڈانٹا کرتیں کہ اونچا مت جھولا کرو گر جاؤ گی۔

''امی میں اتنی مضبوطی سے پکڑتی ہوں کہ گرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ماں کی بات نہ ماننا۔'' وہ خفگی سے منہ پھیر لیتیں تو مینا پیار سے انہیں منا لیتی اب بھی وہ سرعت سے ان جھولوں کی جانب بڑھی اور درمیانی جھولے پر بیٹھ گئی۔ سائیڈوں پر یوکلپٹس اور سفیدے کے درخت تھے آج تو وہ ان درختوں کو ضرور چھولے گی اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ دھیرے سے جھولا آگے بڑھاتے ہوئے ٹھنڈی ہوا کو پوری طرح محسوس کیا۔

چند لمحوں میں جھولا تیز تو ہو گیا مگر اتنا نہیں ہوا کہ وہ اتنی بلندی پر جا سکتی اس کے لیے وہ ہمیشہ ٹینا یا نصر بھائی کی مدد لیتی تھی مگر اس وقت دونوں ہی نہیں تھے۔ دل مسوس کر کے خود ہی کوشش کرتی رہی مگر پھر بھی وہ اتنی بلندی پر نہ پہنچ سکی کوشش جاری رکھی اور خوب اوپر کر کے جھولا ٹھہرانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی کسی نے پیچھے سے جھولے کو خوب اوپر کر دیا اور جھولا بہت اوپر ہو گیا شکر تھا کہ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ تاہم ہلکی سی چیخ نکلی۔۔۔ اور بے اختیار اس کی آنکھ کھل گئی لمحہ بھر میں ہی سانس پھول گیا۔

دوسرے لمحے وہ چونکی اور سنبھل کر بیٹھنے کی کوشش میں اس کے منہ سے طویل چیخ نکل گئی۔

پور پور میں یوں لگا جیسے انگارے دہک رہے ہوں اس کی دائیں آنکھ سے آنسو نکل کر رخسار پھیل گیا جسے شفیق اور مہربان ہاتھوں نے اپنی پوروں پر سمیٹ کر مٹھی میں مقید کیا اور بے اختیار اس کا سر شانے سے جا لگا۔

......اور!!!

لمحہ بھر میں اس کی ساری حسیات جاگ گئیں وہ کہاں تھی کس حال میں تھی اور کس شفیق ہستی نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

''کیا سوتے میں ڈر گئی ہو۔'' دھیرے سے بی بی جان نے کہا۔

''نہیں تو' میں سو کب رہی تھی ایسے ہی لیٹی ہوئی تھی۔'' اس نے خود کو سنبھالا۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے دھیرے سے سر اٹھایا ہلکی ہلکی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔

''تم یہ سوپ پی لو اس کے کے بعد میں تمہیں دوا دیتی ہوں پھر سو جانا جتنا'' آرام کرو گی اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا اس وقت سوچنا تمہارے لیے انتہائی مضر ہے۔''

بی بی جان نے گرم گرم سوپ کا پیالہ اس کے سامنے کیا اور اسے پلانے لگیں۔

''امی ابو اور میری بہن کیسی ہیں میں ان سب سے کب ملوں گی بی بی جان؟''

اس نے بڑے مان سے پوچھا۔

''بہت جلد تم ٹھیک ہو جاؤ'' ان کے دل کو ٹھیس سی لگی جب اس لڑکی کو معلوم ہوگا تو پھر کیا ہوگا کیا حالت ہوگی۔ اس طرح سنبھالی جائے گی جس کے لبوں پر لمحہ لمحہ یہ سوال ہوتا ہے کہ امی ابو کیسے ہیں؟

اس حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمت ان میں نہیں تھی وہ تو اس لڑکی کی محبت میں گرفتار

ہوگئی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے ان کو کچھ زیادہ چوٹیں آئی ہیں ورنہ ملنے پر کیا پابندی ہے۔''

''ہاں بیٹا تم ایسا ہی سمجھ لو دراصل جس جگہ پر حادثہ ہوا تھا وہ لوگ وہیں قریب کے اسپتال میں داخل کر لیے گئے۔ وہاں مزید گنجائش نہیں تھی تمہارے زخم زیادہ گہرے نہیں تھے اسی لیے تمہیں یہاں لے آئے۔''

اس جھوٹ پر ان کا دل خود بھی شرمندہ تھا۔

''کیا انہیں۔۔۔۔''

''چلو بیٹا اب تم یہ دوا کھاؤ اور سو جاؤ میں نے کہا تھا جتنا آرام کروں گی اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے تم ان سے جلدی ملوگی۔''

بی بی جان نے پیالہ سائڈ ٹیبل پر رکھ کر اسے دوا دی۔

''کتنی گہری چوٹیں آئی ہیں انہیں۔۔؟'' اس نے بی بی جان کے سہارے لیٹتے ہوئے پھر پوچھا۔

''میں ان سے ملی نہیں ہوں بیٹا''

''آپ ان سے ملیں بی بی جان اور مجھے بتائیے وہ لوگ کیسے ہیں کس حال میں ہیں معلوم نہیں کیوں میرا دل عجیب سے گمان میں ہے۔'' اس نے بی بی جان کا ہاتھ تھام لیا۔

''آج کل تو بیٹا مشکل ہے مجھے گھر بھی جانا ہوتا ہے اور پھر تمہارے پاس سے جانے کو دل نہیں چاہتا علی کو بھیجوں گی۔

''علی کون؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''علی۔۔۔میرا پوتا' عمر کا چھوٹا بھائی ہے بہت ہی ہنسنے والا ہے۔ ان کے لہجے میں پوتوں کے لیے محبت عود کر آئی۔

''واقعی انہیں اپنے پوتوں سے حد درجہ محبت تھی عزیز تو سب بچوں کی اولادیں تھیں

مگر ان پر وہ زیادہ ہی مہربان رہتی تھیں۔''

''اچھا بی بی جان۔''

''بس اب تم سو جاؤ اٹھو گی تو باقی باتیں کل کریں گے۔'' انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا اس نے مسکرانہیں دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

''کتنی مہربان' شفیق اور ہمدرد خاتون ہیں کوئی رشتہ نہیں ہے اور اتنا خیال رکھتی ہیں ایسے بھی ہمدرد اور مہربان لوگ ہوتے ہیں امی سے کہوں گی ان سے تعلق نہ توڑیں بہت نفیس اور گریس فل خاتون ہیں انہیں اپنے رشتہ داروں میں شامل کر لیں۔''

پھر اپنے خیال پر وہ خود ہی مسکرا دی'' جو رشتہ دار نہ ہوں تو دوسروں سے رشتہ داریاں اتنی جلدی قائم تھوڑی ہو جاتی ہیں۔''

''معلوم نہیں ان کی کیا حالت ہوگی کتنی چوٹیں آئی ہوں گی اے اللہ اے میرے مہربان مالک میرے ابو' امی اور بہن کو سلامت صحت مند رکھنا یہ ہی تو میرا کل اثاثہ ہے۔''

اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔

پھر اس کا ذہن نیند کی عمیق گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ بی بی جان اس کے پاس بیٹھی دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ سہلاتی رہیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے بی بی جان۔''

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شہزاد عمر کے ساتھ آ گئے۔

اس کے چہرے پر ماں باپ سے ملنے کی آس نے شاید سکون پھیلا دیا تھا۔ تکلیف و کرب کے اثرات نہیں تھے۔

''پہلے سے تکلیف کم ہے مگر ہر وقت اپنے امی ابو کے بارے میں پوچھتی ہے۔'' ان کے چہرے پر دکھ و ملال تھا۔

''اوہ!'' عمر بھی خاموش ہو گئے۔

ڈاکٹر شہزاد بی بی جان کو اپنے روم لے آئے۔

''ہم سب کی زندگیوں کے یہ قیامت خیز لمحات ہیں اور ہمیں انہیں ہر حال میں فیس کرنا ہے۔''

''والدین سے ملنے کی خوشی میں وہ وہ بات مان رہی ہے انشاء اللہ جلد صحت یاب ہو جائے گی۔''

''بس بی بی جان وہ مکمل طور پر تو نہیں مگر اتنی بہتر ہو جائے کہ اس صورت حال کو برداشت کر سکے۔ آپ نے ہر حال میں اسے سنبھالنا ہے۔''

''میرا تو بس نہیں چلتا کہ میں اسے اتنی خوشیاں دوں کہ وہ اس دکھ کو بھول جائے۔'' بوڑھی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔

''بے شک یہ ہم سب کی خواہش ہے بی بی جان لیکن جو کچھ گناہ ہم سے سرزد ہو گیا ہے اس کا کفارہ تو ہر حال میں ادا کرنا ہی پڑے گا۔''

عمر آفندی کے چہرے پر سنجیدگی ملال کی تھی۔

''کاش تم ذرا سنبھل گاڑی چلا لیتے' کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ اتنی تیز گاڑی مت چلایا کرو۔''

''بی بی جان گاڑی تو میں آہستہ ہی چلا رہا تھا قصور میرا نہیں تھا ہاں یہ ضرور تھا کہ میں ذہنی طور پر بے حد تھکا ہوا تھا۔'' اور حادثہ میری وجہ سے نہیں ہوا۔ میں تو۔ بس.....

دھیرے دھیرے کنپٹیوں کو دباتے وہ گویا ہوئے تو ڈاکٹر شہزاد اور بی بی جان چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔ دونوں اچھی طرح سے جانتے تھے کہ محبت کی شادی کرنے کے باوجود اپنی ازدواجی زندگی سے خوش نہیں ہیں۔

''تم بتاؤ شہزاد اس کی ذہنی صورت حال کیسی ہے برین ایکسرے کیا بتاتا ہے اور اس کے زخم۔'' اس نے سر اٹھا کر شہزاد کی جانب دیکھا۔

''ذہنی صورت حال کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا جبکہ برین ایکسرے فی الحال ٹھیک آئے ہیں۔ زخم بھرنے میں دیر لگے گی۔ گھاؤ بہت گہرے ہیں۔''

''ہوں!'' عمر کی ہنوز وہی کیفیت تھی وہ سر ہلاتے ہوتے سوچتے رہے۔

''تمہارے خیال میں اس کو کب بتانا چاہیے کہ اس کے والدین۔۔۔'' ڈاکٹر شہزاد خاموش ہو گئے۔

''میرے خیال میں دو ایک دن میں بتا دینا چاہیے تب تک وہ کچھ بہتر تو ہو ہی چکی ہو گی ورنہ وہ زیادہ توقعات وابستہ کر لے گی بقول بی بی جان کے وہ اپنے والدین اور بہن کا بہت پوچھتی ہے۔''

''ہاں آج تو میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تمہارے والدین اور بہن دوسرے اسپتال میں ہیں اسی لیے ملنا مشکل ہے تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو لے چلیں گے۔'' بی بی جان نے بتایا۔

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا بی بی جان' اس سے ہمیں کچھ اور دن مل جائیں گے اس کی پیشانی کی چوٹ ذرا ٹھیک ہو جائے۔ وہ پھر اس حقیقت کو برداشت کر لے گی۔'' ڈاکٹر شہزاد نے شکر گزار نظروں سے انہیں دیکھا۔

''معلوم نہیں کیوں بیٹا اس لڑکی سے مجھے بہت انسیت اور محبت ہو گئی ہے میں اسے ہر دکھ سے بچا لینا چاہتی ہوں ایسا میرے دل میں کیوں ہے میں خود بھی نہیں جانتی۔'' ان کے لہجے میں محبت کی چاشنی تھی۔

''ایسا اس لیے ہے بی بی جان کہ۔۔۔۔۔'' انہوں نے اس آواز پر چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔۔۔علی اندر آ گیا۔

''یہ حادثہ ہم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے آپ کے جان پدرے یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا ہے بے شک انجانے میں ہی ہوا مگر ہوا تو ہے۔''

یہ لڑکی اپنوں سے بچھڑ کر تنہا ہوگئی ہے اور آپ ہمیشہ کی نرم طبیعت کی مالک ہیں۔ یہ احساس ہونا لازمی ہے۔'' علی نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

بی بی جان نے تائیدی انداز میں سر ہلایا بے شک یہ وجہ ہوسکتی ہے۔

''تم کہاں سے آرہے۔'' عمر آفندی نے اسے دیکھا۔

''فی الحال تو گھر سے آرہا ہوں' آفس سے سیدھا گھر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر آرام کیا پھر ادھر آگیا۔'' وہ ریلکس ہوکر بیٹھا۔

''خاتون کی طبیعت کیسی ہے مکمل ہوش میں آگئیں کیا؟''

''ہاں ہوش میں تو ہے مگر پھر بھی ہم اسے سکون بخش ادویات دے رہے ہیں تاکہ ذہنی طور پر وہ ہر طرح کے صدمے کے لیے تیار ہو۔''

''ہوں!'' کیا میں ان سے مل سکتا ہوں۔''

''نہیں فی الحال وہ سو رہی ہے۔''

''اکبر داؤد کے کیا ارادے ہیں۔'' جانچتی نگاہ اُس پر ڈالی تھی عمر نے۔

''فی الحال تو وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے حالانکہ بقول اس کے یہ لڑکی اس کی بہو ہے تو بہو ہوش میں آچکی ہے اسے شہر کے اندر ہی ہونا چاہیے تھا۔ ہوسکتا ہے ضروری کام ہو' دوسرا یہ کہ اس کے گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کی خبر گیری کے لیے نہیں آیا' سوم یہ کہ یہ شخص مجھے ہر حال میں فراڈیا لگتا ہے۔ آپ کا خیال کیا کہتا ہے۔''

علی کی یہ عادت بہت اچھی تھی کہ ہر چیز کا باریک بینی سے جائزہ لیتا تھا جو ان سب کے لیے فائدہ مند تھا اب ان کی یہ خواہش تھی کہ ہر ممکن حد تک اس لڑکی کو شدید دکھوں سے بچایا جائے۔

''ہوں!'' دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

''بی بی جان آپ بھی گھر جائیے کچھ آرام کرلیں۔'' عمر آفندی کو خیال آیا۔

''آرام ہی آرام ہے یہاں' کون سے میں نے چولہے جلائے اور پہاڑ اٹھائے ہیں یہیں رہنے دو۔'' ان کا جانے کا ارادہ نہ تھا۔

''اچھا گھر سے ہوکر آئیے' بیگم فرخندہ کا فون دو بار آپ کے لیے آچکا ہے۔''

علی ذو معنی انداز میں مسکرایا۔۔۔ بی بی جان کی توجہ اس کی جانب نہ تھی۔

''اچھا پھر تو جانا ہی پڑے گا؟'' انہوں نے بادل نخواستہ ہامی بھری۔

''ضرور جائیے بی بی جان پھر دکھوا بھی کروائیے ویسے تو سوئمبر کی رسم ہونی چاہیے مگر یاد رہے فی الحال میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''باؤلا ہوگیا ہے یہ لڑکا۔'' بی بی جان نے گھر کا شہزادہ بھی ہنس دیے۔

''بھائی جان آپ کے لیے ایک پیغام ہے بھابھی کا۔'' اب وہ عمر آفندی کی جانب متوجہ ہوا انہوں نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ جانے کیسی بیزاریت ہوگئی تھی انہیں لالہ رخ سے اس ایک حادثہ نے انہیں ایک دوسرے سے بہت دور کردیا تھا۔ تاہم اسوقت وہ صرف اس لڑکی کے بارے میں سوچنا چاہتے تھے جو ان کی بدقسمتی کا شکار ہوئی تھی۔ ماہ رخ کے بارے میں تو سوچنا ہی فضول تھا۔

''بی بی جان آپ نے اس لڑکی کا نام پوچھا اس سے۔'' علی بی بی جان کی طرف متوجہ ہوا۔

''نہیں میری زیادہ بات نہیں ہوسکی اس سے' ہوش میں ہوتی ہے تو زیادہ تر ماں باپ کے بارے میں پوچھتی ہے بہت معصوم اور پیاری ہے اس کا انداز اتنا پیارا ہے کہ بے ساختہ پیار آجاتا ہے۔'' انکے لہجے میں حد درجہ محبت کی چاشنی تھی۔

''میں کب مل سکتا ہوں۔'' علی کے چہرے پر شرارت تھی عمر اس کے انداز پر ہنس دیے علی خوامخواہ جھینپ گیا۔

''اس میں ہنسنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔'' اس نے جھینپ مٹانے کی کوشش کی۔

''چلو اٹھو بی بی جان کو گھر لے جاؤ۔''

''لیکن میں رات کو آؤں گی۔'' بی بی جان نے اٹھتے ہوئے باور کروایا۔

''بی جان آپ کے لیے آرام ضروری ہے کہیں آپ بیمار نہ ہو جائیں' سارا دن تو آپ نے یہیں گزارا ہے۔'' عمر نے محبت سے ان کے شانوں پر بازو پھیلا لیا۔

''میں آرام سے ہی ہوں بس میں ہر وقت اس لڑکی کے پاس رہنا چاہتی ہوں اس کی تنہائی نے مجھے بہت دکھ دیا ہے اب ہمیں ہی اس کے متعلق سوچنا ہے۔''

عمر آفندی نے تاسف سے سر جھکا لیا۔

اس قصور پر وہ خود کو کبھی بھی معاف نہیں کر سکتے تھے ہر ممکن طور پر جس طرح بھی ہوا وہ اس کے دکھ کا ازالہ ضرور کریں گے یہ ان کا خود سے وعدہ تھا کہ اسے دکھوں میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

''ٹھیک ہے بی بی جان جیسی آپ کی مرضی۔'' عمر نے اجازت دے دی۔

''جاؤ علی' بی بی جان کو لے جاؤ۔''

''ابھی تو آیا ہوں میں پلیز آپ جائیں ذرا ریلکس بھی ہو جائیں گے چینج کر لیجئے گا اور بھابھی کا پیغام بھی سن لیجئے گا۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔

''میں نے کہا نا۔'' یک لخت ہی ان کا انداز بدل گیا۔ ناگواری سے پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

علی شوخ سی دھن سیٹی پر بجاتا باہر نکل گیا۔

عمر آفندی گہری سانس لے کر نیم دراز ہو گئے۔

''یہ گریز و فرار کب تک ہوگا عمر۔'' ڈاکٹر شہزاد ان کے بچپن سے اچھے دوست غمگسار اور دکھ سکھ کے ساتھی انکے ہر اچھے برے فعل سے باخبر تھے۔ دھیرے سے سنجیدگی کے ساتھ گویا ہوئے۔

''معلوم نہیں!'' انہوں نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیئے آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

''وہ تمہاری محبت ہے عمر تم ان سے علیحدہ تو نہیں ہو سکتے محبت کی ہے ان سے تم نے خود کو اتنا دور مت کرو عمر کہ واپسی کے راستے بند ہو جائیں۔''

''شہزاد واپسی کا راستہ کھلا ہی نہیں ہے تو بند کیسے ہوگا۔'' لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''انسان خطا کا پتلا ہے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ بھی ساری عمر افسوس میں مبتلا رکھے گا۔''

''نہیں عمر محبت پر شرمندہ نہیں ہوتے اس وقت بھابھی کو تمہاری ضرورت ہے وہ نا سمجھ ہیں ایک محرومی نے انہیں اتنا تلخ اور کڑوا بنا دیا ہے انہیں اپنے لفظوں اور کسیلی باتوں سے مزید دور نہ کرو'' شہزاد نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''کیا میں اکیلا نہیں ہوا' مجھے محبت کی ضرورت نہیں ہے' ہم دونوں ایک کشتی کے مسافر نہیں ہیں جو۔۔۔'' عمر آفندی تلخی کی حد تک کڑوے ہو گئے۔

''ریلکس' ریلکس بات جو کچھ بھی ہے تم صلح و صفائی سے مسئلہ کو حل کر لو اگر دراڑیں پڑ گئیں تو بہت سے لوگوں کو دکھ ہوگا۔''

''دراڑیں تو پڑ چکی ہیں۔'' عمر نے سوچا۔

''ڈاکٹر شہزاد ایک ایمرجنسی ہے۔'' سسٹر ماریہ تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔

''تم سکون و اطمینان سے سوچو میں آرہا ہوں۔''

اسٹیتھسکو اٹھا کر شہزاد باہر نکل گئے۔

''سکون' اطمینان' شانتی سب ہوا ہو گئے ہیں۔''

عمر نے گہرا تلخ سانس بھر کر آنکھیں موند لیں۔

طوفانی محبت کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے جانے کیسی لاتعلقی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ان دونوں کو یاد بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔آج پہلی بار رضا مراد اور عاصم بخاری دیر تک اس کی خیریت دریافت کرتے رہے۔

سیٹھ اکبر داؤد کافی دنوں سے اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔رضا مراد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی اور صبر کی تاکید کی تھی اس کی آنکھیں بھر بھر آئیں۔

''اب تو میں ٹھیک ہوں انکل اب امی ابو اور بہن بھی ٹھیک ہو جائیں ان کی فکر بہت ہے مجھے۔''

رضا مراد نے دھیرے سے اسکا ہاتھ تھام لیا۔ان کے لیے اشک سمیٹنا مشکل ہو گیا جلدی سے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئے سامنے عمر ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

''عمر جتنی جلدی ہو سکے اسے اس سانحہ کی خبر دے دو ورنہ وہ بہت ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔''انہوں نے نم پلکوں کی صاف کیا۔

''ہاں آج کل میں بتا دیں گے دراصل ڈاکٹر رعنا کچھ مطمئن نہیں ہیں۔''وہ سنبھل کر کھڑے ہوئے''اور داؤد اکبر؟''علی رضا نے پوچھا۔

''نہیں کافی دن سے نہیں آئے شاید شہر سے باہر ہیں۔''

''عمر صاحب مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ سن گن ملی ہے کیا یہ صحیح ہے۔''عاصم بخاری نے اچانک ہی دھیرے سے پوچھا۔

''میں سمجھا نہیں کچھ؟''عمر نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

''فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ اس شخص سے محتاط رہیے گا ویسے تعلق تو یہ خود ہی پیدا کر لیتا ہے۔''

عاصم نے فضا پر ان دیکھے نقطے پر نگاہ جما کر کہا۔

''ہوں!''عمر آفندی کچھ سوچنے لگے۔

''ٹھیک ہے ہم چلتے ہیں انشاء اللہ کل آئیں گے۔''علی نے مصافحہ کے لیے ہاتھ

بڑھایا۔

''اوکے جی۔''عمر آفندی نے بھی ہاتھ گرمجوشی سے ملایا اور انہیں دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

علی کے بعد یہ دونوں اشخاص تھے جنہوں نے اکبر داؤد کے بارے میں کچھ زیادہ اچھی رائے نہیں دی تھی بلکہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا جبکہ عمر آفندی تو یہ سوچ رہے تھے کہ لڑکی کو ہوش آگیا ہے اکبر داؤد سے ملاقات کروا دیں گے وہ ہوش و حواس میں تھی۔پہچان لیتی واقعی اگر رشتہ ہوتا تو پھر نکاح نامہ دیکھ کر رخصتی کروا دیتے۔

ایک بار پھر انہوں نے سنسان کاریڈور پر نگاہ ڈالی یہ لوگ ایک نئی راہ دکھا رہے تھے اکبر داؤد؟ کون ہے اور کیا چاہتا ہے ایک سوال تھا جس نے آکٹوپس کی مانند ان کو جکڑ لیا۔

اکبر داؤد کیا نہیں کر سکتا تھا اس جیسے شاطر عیار چالاک شخص سے ہر بات کی امید کی جا سکتی تھی۔وہ شطرنج کا پرانا کھلاڑی تھا۔بساط الٹ دینا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔اب کوئن اس کے ہاتھ میں تھی پھر فائدہ کیوں نہ اٹھاتا دولت کی ہوس انسان کو کیا سے کیا کروا دیتی ہے۔زندگی میں بہت کم وہ ہارا تھا۔ہمیشہ جیتا ہی تھا۔جیتنے کا یقین کر کے ہی وہ بازی کھیلتا تھا۔کوئی اس کی چالوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

دولت کی ہوس انسان کو کیا سے کیا کروا دیتی ہے۔

☆☆☆

''مے آئی کم ان مس!''

دروازہ کھول کر علی آفندی نے اندر جھانکا وہ جو کمرے کے ملگجے سے اندھیرے میں میڈیسن لے کر ابھی ابھی لیٹی تھی نرس اسے سونے کی تاکید کر کے گئی تھی۔اور وہ خیالوں کی یورش پر بہکنے ہی والی تھی کہ چونک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوئی۔

دروازے پر خوبرو ذہین اور شرارتی آنکھوں والے لڑکے کو جھانکتے دیکھ کر چونکی۔

''میں نے کہا' مس ے آئی...''

''یس!'' اس کی آنکھوں میں اجنبیت کے رنگ تھے۔

''مجھے علی آفندی کہتے ہیں' عمر آفندی کا چھوٹا بھائی ہوں۔'' خوشدلی سے کہتا علی اندر داخل ہوا۔

''عمر آفندی؟'' اس نے ذہن پر زور دیا اس نام کے شخص کو ایک دو بار چند لمحوں کے لیے دیکھا تھا۔

''جی!'' اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا یہ لوگ جائے حادثہ سے انہیں اٹھا کر لائے تھے۔ وہ ان کی ممنون و مشکور تھی یہ بات بی بی جان نے اسے بتائی تھی۔ اپنوں سے بڑھ کر خیال رکھا تھا ان لوگوں نے' ہوش میں آنے کے بعد انہیں ہی اپنے قریب دیکھا تھا۔ یہ بی بی جان کا پوتا جو چہرے سے ہی پر خلوص' ہمدرد اور شرارتی لگ رہا تھا تبھی وہ چونک گئی۔ سیاہ روشن آنکھوں سے کتنی مماثلت رکھتی تھیں۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا' ایک دم سے ٹیس سی اٹھی بے اختیار سر کو تھام لیا۔

''خیریت کیا ہوا۔'' علی بے قراری' پریشانی سے اس کی جانب بڑھا۔

''آں' ہاں' نہیں دراصل سر میں درد ہے'' اس نے دھیرے سے خود کو سنبھالا۔

''چوٹ بھی تو معمولی نہیں۔'' علی نے تاسف و ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''آپ اپنے ذہن پر زور نہ دیں یہ بہتر ہے آپ کے لیے۔'' علی نے پر خلوص مشورہ دیا۔ وہ بس دھیرے سے مسکرا دی۔

''تھینک یو۔''

'کیا میں ڈاکٹر کو بلا لوں۔'' علی بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''نہیں رہنے دیں وہ سوائے میڈیسن کے اور کچھ نہیں دے سکتے۔ یہ آنکھ کے آرام کے لیے' یہ پیشانی کے زخم بھرنے کے کیپسول' یہ درد رفع کرنے کے یہ اس کے یہ اس کے اور

حقیقت میں' میں نے کبھی زندگی میں اتنی میڈیسن نہیں لیں۔'' وہ کہتی چلی گئی۔ علی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''میں صرف اسی لیے کھا رہی ہوں کہ جلد سے جلد ابو' امی اور بہن سے مل لوں اگر وہ لوگ میرے سامنے ہوتے تو یہ ساری دوائیاں میں سسٹرز اور ڈاکٹرز کو کھلا دیتی۔''

اس کے والدین کے ذکر پر علی کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی اس قدر مان تھا اس کے لہجے میں۔

''یا اللہ اب کیا ہوگا۔'' علی نے شدید دکھ سے سوچا۔

''لگتا ہے آپ کو بولنے سے بہت دلچسپی ہے۔''

''ہاں ٹینا کے حصے کا بھی میں ہی بول لیتی ہوں تبھی تو ابو مینا کہتے ہیں مجھے'' وہ دھیرے سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

'ٹینا' مینا!'' علی کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''آپ لوگوں کو میں کیسے یقین دلاؤں کہ یہ میری بہو ہے نایاب' فیروز نظامی کی چھوٹی بیٹی۔''

''ہاں مینا' ابو کی مینا۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''اچھا نام ہے مینا فیروز نظامی۔''

''ارے نہیں؟'' اس نے تردیدی نگاہ سے اسے دیکھا۔

''یہ تو میرا نک نیم ہے اور ٹینا کا بھی' صرف ابو امی کہتے ہیں۔'' اس نے تصحیح کی فوراً۔

''اوہ!''

''میرا اصل نام تو نایاب ہے نایاب فیروز نظامی۔''

''بہت خوب صورت نام ہے نایاب۔'' اس نے سراہا ساتھ ہی اکبر داؤد کی ساری چالیں بکھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ کس قدر درست تھا اس کا خیال و یقین' اور اس کی حکمت

عملی کتنی مضبوط تھی منصوبہ کتنا پر اعتماد۔

''ارے آپ کو کیا ہوا۔''

''کچھ نہیں۔'' علی نے سر جھٹکا۔

''بی بی جان نہیں آئیں۔''

''آئی تھیں مگر طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لیے میں نے گھر بھیج دیا انہیں۔''

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا' ورنہ آرام کرنا تو انہیں پسند ہی نہیں ہے۔ بہت اچھی ہیں آپ کی بی بی جان' اس کے لہجے میں گہری محبت تھی۔

''ارے ہماری کہاں اب آپ اپنی ہی سمجھیں۔ بہت خیال ہے انہیں آپ کا۔''

''ہاں اس بات کا تو مجھے احساس ہے۔'' اس نے ممنونیت سے دیکھا۔

''میری بہن پلوشہ سے ملیں گی وہ بھی بہت اچھی ہے ہمارے امی ابو بھی محبتوں کی قدر کرنے والے ہیں عمر بھائی جان سے تو آپ مل ہی چکی ہیں۔ ایک اور بھائی ہے میرا سب سے چھوٹا' آصف' اس کی سنگت میں تو آدمی ہنس ہنس کر پاگل ہو جائے میری ایک ہی بھابھی ہیں لالہ رخ ان سے ملیں گی آپ' وہ بھی بہت اچھی ہیں۔''

علی نے خاصی تفصیل سے اپنے گھر والوں کا تعارف کروادیا۔

''انشاءاللہ ضرور' آپ بھی میرے امی ابو اور بہن سے ملیں گے تو بہت خوش ہوں گے بہت محبت کرنے والے اور ملنسار ہیں میرے ابو ایک ہی بھائی ہیں اپنے گھر والوں کے متعلق بتایا۔

''پڑھائی کے سلسلے میں گئے ہوں گے باہر۔؟

''ہاں پڑھائی بھی ہے اور کچھ دوسری مصروفیات بھی۔'' اس نے نظر چرالی۔

''آپ کے اور رشتہ دار نہیں ہیں کہ انہیں اس حادثہ کی اطلاع دی جائے۔'' علی نے جانچتی کھوجتی نگاہ اُس پر ڈال۔

''نہیں ابو اور امی دونوں ہی اکیلے ہیں۔ ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں اس لیے دوست احباب سے رشتہ داریاں جوڑتے رہتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا حزن تھا۔

''اوہ۔'' علی آفندی کو بہت دکھ و ملال تھا۔

''کیا آپ میرے ابو امی سے ملے ہیں وہ ہوش میں تو ہیں نا ان کے زخم زیادہ گہرے تو نہیں ہیں۔ کتنا عرصہ لگے گا مجھے ان سے ملنے میں۔''

جس سوال کے لیے وہ اتنی دیر سے بے چین تھی۔ آخر کر ہی دیا۔ علی آفندی کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

کس قدر رانچ تھی یہ لڑکی اپنے والدین سے کہ ان کے ذکر پر اس کے لہجے و لفظوں سے خوشبوؤں کے بادل بکھرتے محسوس ہو رہے تھے۔

کیسے ۔ ۔ ۔ کیسے اس دکھ کا سامنا کرے گی۔ کہیں صدمے سے اس کا دل نہ پھٹ جائے۔ اس کے حواس نہ کھو جائیں۔

''اللہ نہ کرے میرے منہ میں خاک۔'' سر جھٹکا

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' اس نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

''میں ایک دو دفعہ ہی ان سے ملا ہوں مصروف بہت ہوں اس لیے جا نہیں سکا عمر بھائی ہی جاتے ہیں۔'' علی نے گریز کی راہ اختیار کی۔

''لیکن عمر میرے سامنے تو آئے ہی نہیں' ایک دو بار میں نے سرسری سا دیکھا ہے'' اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔

''آپ' آپ میرا کام کر دیں بس ان سے مل کر آ جائیں مجھ تسلی ہو جائے گی۔ اس کا لہجہ ملتجی سا ہو گیا۔

''میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ۔ ۔ ۔'' وہ یکدم بوکھلا گیا اس افتاد پر کیا جواب دیتا۔

''کیوں کیا آپ نہیں جا سکتے۔''

''نہیں میرا مطلب ہے کہ۔۔''

''اچھا پھر ایسا کریں گے کہ فون پر بات کروادیں۔''

''ہاں یہ کرسکتا ہوں مگر فون نمبر کا تو مجھے علم ہی نہیں ہے۔'' جلد سے جلد وہ اس کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔

''تو آپ ڈاکٹر یا اپنے بھائی سے معلوم کرلیں۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

''او کے۔۔۔ میں معلوم کرتا ہوں' اچھا اب میں چلوں' اللہ حافظ کہتا ہوا وہ برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔ اپنی دھن میں گم وہ اس کی عجلت پسندی کو محسوس ہی نہ کرسکی دروازے کو دیکھتی رہی' یہ خوشی تھی کہ کم سے کم بات تو کرسکے گی' امی ابو سے معلوم نہیں کس حال میں تھے وہ لوگ۔

تبھی وہ چونک گئی' علی کی آنکھیں افواد علوی سے کتنی ملتی ہیں' سیاہ گہری اور شوخ شریر آنکھیں کچھ کہتی سنتی آنکھیں۔

''اف کس قدر اپنی آنکھوں کا استعمال کرتے ہیں۔'' اس خیال سے وہ محجوب سی ہوگئی۔

''اف کتنے زور سے جھولا دیا تھا اس کی جان ہی نکل گئی۔'' اس نے جھری جھری سی لی ساتھ ہی افواد علوی کے ساتھ گزرے سارے منظر آنکھوں کے سامنے لہرا گئے۔

زور کا جھولا اور پھر بلند بانگ قہقہہ' اس کی چیخ نکل گئی۔

''شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا محترمہ'' کہتے ہوئے اس نے جھولا روک دیا۔

''مگر آپ کو بھی یوں اچانک نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اسے برا لگا۔

''اوہ سوری۔'' وہ اپنے کان پکڑ کر جھکا تو وہ بے ساختہ ہنس دی اور اس بے ساختہ ہنسی نے ان کے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا کردی۔

اسلام آباد میں اس کا قیام دس دن رہا امی کو جواد علوی پسند آگئے تھے اس لیے ابو کا

خیال تھا کہ منگنی کی رسم ادا کردیتے ہیں پھر چند ماہ بعد شادی کردیں گے۔ اس اچانک فیصلے پر مینا بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی۔

''اتنی جلدی مگر کیسے مینا' میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔'' اس نے مینا کے سامنے مسکین سی صورت بنائی۔

''یار شادی تو نہیں ہو رہی جو یوں تیاری کی ضرورت پیش آئے۔ ہو جانا ذہنی طور پر بھی تیار مل جائیں گے چار چھ مہینے۔''

اسنے بڑے مزے سے مشورہ دیا۔ اس وقت دونوں ہوٹل کی بالکونی میں کھڑی گفتگو کررہی تھیں۔

''مگر پھر بھی۔۔۔''

''اچھا سب چھوڑو یہ بتاؤ کہ میں کیا پہنوں وہ پرپل والا یا اورنج''۔ وہ لب دبا کر ہنسی' آخر اکلوتی سالی ہوں۔''

''نایاب' نایاب کی بچی۔'' ساری صورت حال سمجھ کر مینا نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا زرق برق کپڑے رکھنے کا مطلب اب سمجھ آرہا تھا تو گویا اس کے علم میں تھی ساری بات اور کس قدر گھنی تھی کہ اسے ہوا ہی نہیں لگنے دی۔

مینا دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی جانب بڑھی مینا جلدی سے بیٹھ گئی اس کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔

''بہت بری بات ہے نایاب اگر تم مجھے بتادیتیں تو کم سے کم میں ذہنی طور پر تو تیار ہوتی۔'' نگین سخت ناراض تھی۔

''سرپرائز تھا تمہارے لیے۔'' اس کی ہنسی نگین کی مسکین صورت دیکھ کر بند ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''ایسا سرپرائز مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔'' ہنوز اس کا موڈ خراب تھا۔

"دراصل ٹینا بات یہ ہے۔" مینا نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"دفع ہو جاؤ بات نہ کرو مجھ سے" اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"بہن اور دوست ہو کر مجھ سے ہی ہر بات چھپائی۔" خفگی کے احساس سے اُسے دیکھا۔

"دیکھو نگین قصور سارا امی کا تھا ابو کو لڑکا پسند تھا امی نے دیکھا نہیں تھا اس لیے انہوں نے کراچی میں کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ جب تک لڑکے کو نہیں دیکھیں گے فیصلہ نہیں کریں گی یہاں آئیں جواد بھائی سے ملیں۔ انہیں فیملی اچھی لگی' یوں ہاں کہہ دی اگر تمہیں پہلے بتا دیا جاتا اور امی کو فیملی پسند نہ آتی تو تم ہرٹ ہوتیں اس لیے۔"

مینا نے جلدی جلدی ساری بات بتائی۔

"اب بولو کس کی غلطی ہے۔" ذومعنی انداز میں اُسے دیکھا۔

"تبھی تم نے ساری تیاری کر رکھی تھی۔" اس کا غصہ ہرن ہو گیا جواد اسے بھی پسند آیا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے مگر میں دونوں صورتوں کے لیے تیار تھی۔"

"اور اگر انکار ہو جاتا پھر۔" وہ ذومعنی انداز میں مسکرائی۔

"تو پھر میں ٹھنڈا سانس بھرتی اور اپنا غرارہ پہن کر برف پر پھسلتی۔" کہتی ہوئی وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"احمقوں کی سردار لگتیں اور پھر کوئی احمق تمہارے غرارے کو اٹھاتا۔ پیچھے پیچھے گھر تک چلا آتا۔" ٹینا نے ساتھ دیا۔

"تو پھر میں گانا گاتی۔" مینا نے لہک کر سر گھمایا

"پیچھے پیچھے اندا میری چال۔"

"بس۔ بس۔" نگین نے مسکرا کر روک دیا۔ اس کا غصہ رفع ہو چکا تھا۔

ابو نے ہوٹل کے لان میں ہی منگنی کا بندوبست کیا تھا۔ شادی کی تاریخ چند ماہ بعد کی رکھی گئی تیاریوں کے لیے دونوں گھرانوں کو ہی وقت چاہیے تھا۔

ٹینا کا جوڑا ادھر سے ہی آیا تھا سلمے دبکے کے کام والا جھلملاتا گہرے اورنج رنگ کا آرگنزا کا انگرکھا' اس پر چوڑی دار پاجامہ بھرا ہوا دوپٹہ سونے کا سیٹ' چوڑیاں وغیرہ دلہن بنی نازک سی نگین کو نایاب نے بے ساختہ چوم لیا۔ من موہنی سی نازک گڑیا لگ رہی تھی۔

راؤ سلک کے چمکدار کرتے شلوار میں جواد بھائی بھی کم خوب صورت نہیں لگ رہے تھے تاہم ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی افواد شوخی سے بار بار نایاب کو دیکھ رہا تھا۔

تقریب بہت زور دار رہی' دونوں دولہا دلہن نے ایک دوسرے کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی۔ کیک کاٹا اور ایک دوسرے کو پھولوں کا تحفہ دیا۔ مہمانوں سے مبارک باد وصول کیں۔ نایاب سارے میں گھومتی چہکتی پھر رہی تھی کہ افواد قریب آ گیا۔

"آپ اس لباس میں مغلیہ دور کا نادر شاہکار لگ رہی ہیں۔" اس پر نگاہ ڈالی۔

"اچھا۔" وہ ہنسی۔

"بس ایک بات کی کمی ہے۔" شرارتی سا انداز تھا۔

"کس بات کی۔" تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"بندیا کی"

"اچھا!" وہ ہنسی۔

"لیکن میں خود کو مکمل سمجھ رہی ہوں۔" اس نے یقین سے کہا۔

"آؤ ندا اور نایاب ایک تصویر ہو جائے۔" فرح نے بلا لیا۔

پھر باقی سارا وقت وہ خود پر افواد کی نگاہیں محسوس کرتی رہی۔ شوخی' شرارت اور ان کہے جذبوں سے بھرپور آنکھیں' اُسے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی۔

مگر بعض جگہ لفظ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔

''میرا خیال ہے' پپا کو ایک بار پھر کراچی جانا پڑے گا۔

وہ بالکونی میں کھڑی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی ہلکا ہلکا ملگجا ٹھنڈا اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ افواد اس کے برابر آ کھڑا ہوا۔

آج زبردستی انکل نے روک لیا تھا دو دن بعد تو وہ چلے جاتے۔

''وہ کیوں بھلا۔'' ہونٹوں پر شفاف مسکان تھی۔

''ایک بہت ہی ضروری کام ہے۔''

وہ ذومعنی انداز میں گویا ہوا۔

''ہاں اب تو خیر آنا جانا لگا ہی رہے گا۔'' اس نے کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

اس پر ایک نگاہ غلط ڈال کر افواد اطراف میں دیکھنے لگا۔

اس لڑکی نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دل و روح پر فتح حاصل کر لی تھی' بھلا کوئی ایسے بھی شب خون مارتا ہے سوچتا ہوا وہ خود بخود ہی ہنسا۔

''یہ خود بخود کس بات پر ہنسا جا رہا ہے۔'' مینا نے تیکھی نگاہ سے اسے دیکھا۔

''اگر بتا دیا تو بے وقوف سمجھیں گی مجھے۔'' ہنوز زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا!'' ایسی بھی کوئی بات ہو سکتی ہے۔''

''ہاں بہت جلد بتا دوں گا۔'' اسے دیکھا۔

ضرور۔۔۔ضرور۔۔''

''اچھا یہ تو بتایئے تصویریں اور مووی آ گئی۔'' موضوع بدل دیا۔

''کل آ گئیں گیں ارجنٹ کام کروایا ہے۔''

''تھینک یو ایک کاپی ہمارے لیے بھی تیار کروا دیجئے گا۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔

''جی آپ وہی لے جایئے گا ہم اپنے لیے دوسری بنوالیں گے۔'' اس نے بڑے ہی ذومعنی انداز میں جھک کر کہا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا بے شک وہ اتنی نا سمجھ بچی بھی نہ

تھی عقل و شعور رکھتی تھی۔

''اچھا میں چلوں۔'' یکدم مگ تھام کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

افواد ہونٹوں پر شوخ سی دھن بجاتا کافی دیر وہیں کھڑا رہا۔

رات وہ خاصی ڈسٹرب رہی افواد کا انداز اسے خوامخواہ ڈسٹرب کرتا رہا جبکہ ثینا آرام سوتی رہی۔

''بے وقوف ہو تم تو نایاب اس نے اپنے بھائی کی سالی سمجھ کر تمہیں اہمیت دی ہے اور تم خواب دیکھنے میں لگی ہو۔'' اس نے کروٹ بدل کر خود کو سرزنش کی مگر وہ سیاہ آنکھیں اس پر حاوی ہونے لگیں۔

صبح یہ لوگ مصروف تھیں وہ جھولے پر جا کر بیٹھ گئی دھیرے دھیرے جھولتے ہوئے وہ افواد کے متعلق ہی سوچتی رہی۔

وہ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں پر سوچیں خود بخود ہی ایسی راستوں پر گامزن ہو جاتی ہیں کوئی بند کوئی پہرہ کارگر ثابت نہیں ہوتا' آنکھیں بند کر کے وہ مصروف تھی۔

فضا میں ہلکی پھلکی خنکی موجود تھی۔

وہ آنکھیں کھول کر پرندوں کی آواز کی جانب متوجہ ہوئی' دوسرے لمحے چونک گئی سامنے ہی سینے پر ہاتھ باندھے گہری خاموش نظروں سے دیکھتے جواد بھائی کھڑے تھے۔



اپنی بے خیالی اور بے خودی پر وہ اندر تک شرمندہ ہوگئی جانے کب سے کھڑے تھے۔اس نے جلدی سے جھولا روک دیا۔

''خیریت جواد بھائی کوئی کام تھا جو۔۔۔۔۔''

''تمہیں ایسے ہی گزر رہا تھا رک گیا۔'' براؤن گہری آنکھیں اس پر مرکوز تھیں کتنی مختلف تھیں افواد سے آنکھیں تاہم اسے عجیب سا احساس ہوا' ان آنکھوں کے پیچھے کوئی ان دیکھی داستان سی محسوس ہوئی۔

''کبھی آئیں نا کراچی۔''

''ہاں انشاءاللہ جلد ہی آئیں گے۔''

''ضرور' ضرور اب تو آپ کا اپنا گھر ہے۔''

جواب میں وہ اسے دیکھتے ہوئے ہنس دیئے۔

''بے شک اس میں کیا شک ہے۔'' اس کی بات پر ان آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ اس کی چھٹی حس ایک دم سے الرٹ ہوگئی۔

''او کے میں چلوں شاید ندا آواز دے رہی ہے۔'' ایک دم سے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ براؤن آنکھوں کی تپش قدموں کے ساتھ ساتھ محسوس کیا۔

''ہوسکتا ہے میرا وہم ہو' وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی جہاں سے ان تینوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

باقی تمام دن انہوں نے بہت انجوائے کیا افواد نے ان چاروں کو اسلام آباد اور مری کی سیر کروائی اس کے ذومعنی اور بامعنی الفاظ اسے دیر تک سرخ رکھتے رہے۔ ٹینا کی شادی کے بعد گھر میں سناٹا ہو جاتا۔ اور وہ اپنے بابل کا گھر اتنی جلدی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوسکتی تھی بھائی تھا نہیں جوان بیٹیوں کے بعد گھر میں رونقیں بکھیر دیتا اور یہ تو خود اس کا عہد تھا کہ وہ بیٹا بن کر دکھائے گی۔ اپنی بات سوچتے ہوئے خود ہی بے اختیار ہنسی۔

''یہ خود بخود کس بات پر ہنسا جا رہا ہے۔''

افواد اس کی پشت سے نمودار ہوا۔

''پابندی ہے کیا'' اس نے شرارت سے سر اٹھایا۔ ''ہاں۔۔۔لوگ خبطی اور دیوانہ سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کو۔''

''ویسے ایک بات میں آپ پر واضح کر دوں کہ میں لوگوں کی پروا نہیں کرتی مجھے ہنسنا ہے تو میں ہنسوں گی اور اگر رونا ہے تو بس رولوں گی ماحول اور لوگوں کی پروا نہیں۔''

''اوہ! تو گویا اپنے بچپن سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے'' افواد نے شوخی سے جھکا دیکھا۔

''جی نہیں میں بے جا کسی بات سے فائدہ نہیں اٹھاتی' بس یہ میری عادت ہے۔'' سر جھٹکا ''میں ایسی ہی صاف اور کھری ہوں۔''

''اطلاع کا شکریہ۔'' وہ جھکا۔ اس کے چہرے پر ذومعنی شرارت تھی۔ ہاتھ پکڑا گلابی پھول اس کی سمت بڑھا دیا۔

''شکریہ' ویسے پھولوں کے تحفے میں مجھے صرف سفید پھول پسند ہیں پرخلوص' صاف کھرے اور مخلص دوستانہ جذبوں کی عکاسی کرتے ہوئے۔''

''اچھا'' وہ دھیرے سے ہنسا۔

''اور اگر میں گلاب کا پھول تحفے میں دیتا پھر'' ... جذبوں کی نمائندگی کرتا

ہے۔" اس کے چہرے پر پھولوں کا عکس تھا۔

"لیکن اکثر پھول دینے اور لینے والے کے احساسات دو متضاد جذبوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ میری مرضی پر منحصر ہوتا کہ میں کون سا عکس قبول کرتی۔"

"اوہ!" وہ ذرا سا پیچھے ہوا۔ "خاصی ذہین ہیں۔"

"شکریہ۔"

"میں سرخ گلاب کے جذبوں کی عکاسی کرنے جلد ہی آپ کے شہر آؤں گا۔"

یکدم ہی وہ اپنے جذبوں کے ہاتھوں بے اختیار ہو گیا۔ بات چونکہ اچانک ہوئی تھی لہٰذا ساکت ہونا لازمی تھا۔

"میری بات پر حیران ہیں یا بری لگتی ہے۔" وہ ذرا سا جھکا۔

"دونوں میں سے کوئی بھی نہیں چلیں آپ ادھر کہاں آ نکلے۔" اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"آپ کی تلاش میں۔"

"میری تلاش فضول ہے میں گم ہونا نہیں جانتی قدرتی مناظر میرے لیے انتہا کشش کا باعث ہوتے ہیں اس لیے خاموشی سے ان منظروں کے درمیان گھومنا اچھا لگتا ہے۔"

"خاصا آرٹسٹک مائنڈ ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا کر آگے بڑھنے لگا اس کے تقلید میں افواد نے بھی قدم بڑھا دیئے۔

"منگنی کے ٹھیک دس دن بعد یہ لوگ واپس جا رہے تھے ابو نے اپنی بات پوری کی واپسی سفر انہوں نے بائی روڈ کرنا تھا۔

زبیدہ نظامی جانے کیوں اس کے خلاف تھیں۔

"طویل سفر ہے آپ جہاز سے ہی چلتے تو اچھا تھا۔"

"ارے کچھ نہیں ہوتا بیگم صاحبہ خاصے عرصے بعد ایسی شاہکار قسم کی ڈرائیونگ کا موقع ملے گا۔" وہ بہت خوش تھے۔

"اور ابو آپ امی کو بھی راستے میں ڈرائیونگ سکھائیے گا۔"

"مجھے معاف رکھو تم باپ بیٹی۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور تینوں ان کے انداز میں ہنس دیئے۔

"میں جانتا ہوں تم کس چیز سے خوفزدہ ہو مگر ایک بات جان لو جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا جو تقدیر میں لکھا ہے۔"

"ہمیں احتیاط کرنی چاہیے۔" زبیدہ نظامی اپنے اندر کے خوف کو چھپا نہ سکیں۔

"بے شک ہم احتیاط سے ہی سفر شروع کریں گے۔"

فیروز نظامی نے ان کا ڈر دور کرنا چاہا۔

"لیکن۔۔۔!"

اس نے آہٹ پر دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ ماسی ڈسٹ بن واپس لے کر جا رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے جی' وہ اس کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے شرمندہ ہوئی۔

"ٹھیک ہوں!" اس نے دھیرے سے کہہ کر اسے دیکھا۔ ماسی دبے پاؤں گھوم کر دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔ گہرا سانس لے کر اس نے چھت کو دیکھا۔

"امی کا خوف بے بنیاد نہیں تھا۔ انسان کی چھٹی حس اسے خبردار کر دیتی ہے۔ یہ بات امی کا خوف ظاہر کر رہا تھا۔" ان کے وجود میں کتنی بے چینی' بے قراری ہو گی ماں تھیں نا آنے والے حالات سے باخبر۔

کتنا خوشگوار سفر تھا کبھی ابو اور کبھی وہ ڈرائیونگ کر رہے تھے' رات انہوں نے ہوٹل میں قیام کیا پھر فریش ہو کر صبح سفر کیا۔ راستے میں دلچسپ باتیں۔ ٹینا سے ذومعنی چھیڑ چھاڑ'

کتنی خوش تھی وہ اس منگنی پر اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ سپنے بس گئے تھے۔ امی تو دعائیں مانگنے میں مصروف تھیں۔

گاڑی میں بجتے دلکش میوزک نے بھی سفر کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ غرض یہ سفر ان کی زندگی کا یادگار سفر بن جاتا مگر۔۔۔۔

اس کے زخموں سے ٹیسیں سی اٹھیں۔

ہونی ہو کر رہتی ہے جو حادثہ ان کی زندگی میں رقم تھا وہ ہو کر رہا۔ ساری احتیاط رائیگاں گئی سامنے سے آتی ہجیرو نے کیسے المناک حادثے سے ہمکنار کر دیا۔ گاڑی یہ ڈرائیو کر رہی تھی۔

''جانے ابو امی بیٹا کی کیا حالت ہو۔ آج اتنے دن ہو گئے ہیں اور وہ ان لوگوں سے مل نہ سکی معلوم نہیں کتنی چوٹیں آئی ہوں گی انہیں۔''

اسے اچانک بے چینی اور بے قرار ہونے لگی۔

اب وہ کوئی دوا نہیں لے گی جب تک وہ امی ابو سے مل نہیں لے گی بی بی جان سے کہے گی کہ وہ انہیں امی ابو سے ملوا دیں کتنی مخلص اور ہمدرد ہیں بی بی جان اس کی سفارش ضرور کریں گی' کیسے اس کا خیال رکھ رہی ہیں بلا کسی لالچ اور خود غرضی کے' کس قدر اپنائیت ہے ان کے انداز میں' وہ ضرور اس کا ساتھ دیں گی۔

ان کے پوتے کس قدر نفیس اور بے غرض انسان ہیں علی کی آنکھیں افواد سے کتنی ملتی ہیں۔

آج وہ بی بی جان سے یہ بھی کہے گی کہ ان کا تو کوئی رشتہ دار نہیں ہے آپ ادریس انکل کو فون کر دیں وہ کوئی خیریت نہ پا کر کتنے پریشان ہوں گے۔

مسلسل سوچنے سے اس کے دماغ کی رگیں درد کرنے لگیں چکر سے آنے لگے۔ سہارا لے کر آنکھیں موند کر لیٹ گئی چار سو یکدم سے اندھیرا پھیل گیا۔

☆☆☆

آج وہ کتنے دنوں بعد گھر آئے تھے اس وقت بلکہ اب تو ان کا گھر میں آنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ شدت سے خواہش بیدار ہوئی تھی لالہ رخ کہیں چلی جائے۔ ان کی نظروں سے دور' جہاں ان تک رسائی ممکن نہ ہو۔

محبت کی زنجیر ان کے لیے بوجھل اور تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ اور بار چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو ذہن و دل عرصے تک برداشت نہیں کر سکتے۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئے سر میں ہلکا ہلکا درد تھا۔ شدید بے آرامی نے اس کے اعصاب شل کر دیئے تھے۔ پشیمانی کا احساس بے حد شدید تھا۔

''اوہ آپ۔۔۔۔ آ گئے آپ۔''

تیزی سے اندر آتی لالہ رخ ٹھٹھک گئی ایک نگاہ غلط ان پر ڈال کر دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

''آ گیا خیال گھر آنے کا' بہت ہاسپٹل میں دل لگ گیا ہے۔'' لالہ رخ سامنے بیٹھ گئی انداز طنزیہ تھا۔ جواب دینا فضول تھا' وہمی عورت کا علاج ناممکن ہے۔

''ساری رپورٹیں مجھے ملتی ہیں۔ یہ راہ فرار کب تک پھر کہتے ہیں کہ بلاوجہ کا شک کرتی ہوں جانتے ہیں آج کتنے دنوں بعد گھر آئے ہیں میری خبر نہیں لی کہ زندہ بھی ہو یا مر گئی ہوں۔ ایسا کیا نظر آ گیا ہے اس لڑکی میں۔''

یکدم اس کا لہجہ شکایتی ہو گیا۔

''یا اللہ یہ عورت۔'' عمر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ عجیب سی فطرت اختیار کرتی جا رہی تھی' ناقابل فہم۔

''حادثے تو ہوتے رہتے ہیں جس نے جیسے مرنا ہے مر جائے گا اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔'' لمحہ لمحہ رنگ بدلتی لالہ رخ کا لہجہ سفاک ہو گیا۔

''لالہ رخ! عمر آفندی کھول گئے۔''

''اب اس کے لیے ہم اپنی زندگی تو نہیں خراب کر سکتے۔'' لالہ رخ نے اپنی بات مکمل کر ہی لی۔

''مت بھولو کہ اس حادثہ کے ذمہ دار سراسر ہم لوگ ہیں۔ خصوصاً تمہارا رویہ تمہارے لہجے اور سلوک نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ وہ لڑکی زمانے بھر میں تنہا ہو گئی ہے اس کے ماں باپ مر گئے ہیں۔ کوئی نہیں ہے اس کا اپنا' خدا بھی ہمیں اس زیادتی پر معاف نہیں کرے گا۔'' عمر آفندی سلگ گئے۔

''گویا اس دردسری کو اب ہمیں ساری عمر کے لیے پالنا ہوگا۔'' اس کا لہجہ تند ہو گیا۔

''خدا کا خوف کرو لالہ رخ بجائے اس سے ہمدردی کرنے کے کفر بول رہی ہو ہم کون ہوتے ہیں کسی کو پالنے والے' وہ تو اوپر بیٹھا ہے جو ہر ذی روح کو رزق دیتا ہے۔''

''ایک بات آپ بھی ذہن نشین کر لیں اس حادثے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ۔خود پر اسے مسلط نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے میں اپنے اور آپ کے درمیان کسی تیسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔''

لالہ رخ کھڑی ہو گئی۔ وہ بس دیکھ کر رہ گئے جانے کس نیچر کی عورت تھی۔

''ایسے موقعے تو ویسے بھی خدا آپ کو دے اور آپ فائدہ اٹھائیں۔'' طنزیہ نگاہوں سے دیکھتی وہ باہر نکل گئی۔

عمر نے سلگتا ہوا سانس ہونٹوں سے خارج کیا کس قدر تلخ ہو گئی تھی زندگی یا خدا کیا یہ وہی عورت ہے جس کو میں نے دن رات کی دعاؤں کے بعد حاصل کیا تھا کیا محبت پشیمانی میں بدل جاتی ہے۔

تھکے ہوئے اعصاب ایک بار پھر تن گئے۔ بجائے تھکن دور کرنے کے پریشانی شیئر کرنے کے وہ ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کر کے چلی گئی تھی۔

''لالہ رخ تم بھی یاد رکھنا جب تک اسے مستقل تحفظ نہیں مل جاتا میں اسکا خیال رکھوں

گا چاہے تم کچھ بھی سمجھو۔ سر جھٹکا

میں ہر ممکن حد تک تلافی کروں گا۔ خودسری عود کر آئی۔

اور تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا تم نے ابھی تک میرا ایک روپ دیکھا ہے ایک چہرہ سامنے ہے تمہارے۔ میں اگر محبت کرنا جانتا ہوں تو نفرت کرنے کا بھی حق ہے مجھے میں تمہیں اپنی عزت نفس پر اٹیک کرنے کی اجازت نہیں دونگا۔

اپنے ضبط اور اعصاب کی شکستگی کا احساس ان کے اندر ہلکورے لینے لگا۔ دھیرے سے آنکھیں موند کر پیشانی پر دھیرے دھیرے مکے مارنے لگے۔

تم۔ تم کتنی خود غرض ہو مجھے احساس ہے جسے میں نے زمانے سے لڑ کر حاصل کیا اُسے میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں تم ایسا کیوں سوچنے لگی ہو نا مت سوچتی ہو لالہ بلکہ مجھے ڈس ہارٹ بھی کر رہی ہوں کیا تمہارے دل سے محبت رخصت ہو گی۔

دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی تصویر پر ٹک گئیں ہاتھ بڑھا کر فریم اپنے سامنے کر لیا۔ ان کے ولیمہ کی شاندار تصویر دونوں کی آنکھوں میں محبت کا خمار چہرے پر چاہت کی چاندنی بکھری تھی جس نے ان لمحوں کو امر کر دیا تھا۔

دھیرے سے فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔

''کیا ہمارے درمیان اتنی ہی محبت تھی لالہ۔ سوچوں میں خفگی در آئی ناراضگی کے تاثر سے بجی سنورتی لالہ کو دیکھا۔

تمہاری محبت کیوں اتنی شکی وہمی ہو گئی ہے تم کیوں ٹھنڈے دل و دماغ سے نہیں سوچتی کیا غلطیوں کا کفارہ ہمیں ادا کرنا چاہیے کیا اسلام ہمیں اس بات کا درس دیتا ہے کہ ظلم کر کے بے حسی کی چادر اوڑھ لو۔ تم تو باشعور سمجھدار لڑکی ہو۔ پھر تم اپنی سطح سے نیچے کیسے گر رہی ہوں۔

لالہ......لالہ......انتہائی دکھ سے فریم سائیڈ پر الٹا دیا۔

لالہ رخ کے رویئے' اُس کے انداز' اُس کے لہجے نے انہیں بھی حزن میں مبتلا کر دیا۔

کیا ہماری محبت اتنی بودی و کمزور تھی۔ اگر ایسا ہے۔ یا ہوا کو اس میں سراسر تمہارا قصور ہوگا۔

ہمارے درمیان محبت کو رہنے دو۔ خوشیاں بے حل مشکل سے ملتی ہیں اور اگر ہماری وجہ سے کھو جائیں تو ہمیں بھی حق ہے۔ کہ ہم انہیں دان کریں۔

لالہ رخ..........!

مجھے اتنا ہرٹ مت کرو کہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھالوں اس وقت میں بہت بکھرا ہوا شخص ہوں۔

دھیرے سے کھڑا ہوں۔ انتہائی بے چینی سے بکھرے' گھنیرے الجھے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر گہرا حزن میں ڈوبا سانس لیا۔

ان کی سوچوں میں تفکر کے ساتھ ساتھ ضد عود کر آئی۔ ٹائی کھینچ کر سائڈ پر پھینکی۔ جوتے موزے اتارے اور زور سے باتھ روم کا دروازہ بند کر کے شاور کھول لیا۔ یوں لگا جیسے کسی نے انگاروں پر پانی پھینک دیا ہو۔

☆☆☆

پلوشہ نے چائے لا کر دی۔ سونے سے کچھ تھکن دور ہوگئی تھی۔ گھر کے تمام افراد نے فرداً فرداً اس لڑکی کی خیریت دریافت کی بی بی جان اس کے پاس ہاسپٹل چلی گئی تھیں۔ لالہ رخ جانے کہاں تھی۔

''بھائی جان مجھے بھی ان سے ملوا دیں نا۔'' پلوشہ نے کہا۔

''ہاں ضرور کیوں نہیں آج ہی امی کے ساتھ چلو' میں نے تمہارا غائبانہ تعارف کروا دیا تھا۔'' علی نے کہا۔

''آصف کہاں ہے۔''

''کو چنگ گیا ہوگا۔''

''ابو بھی چلیں گے۔''

''بالکل بالکل بھئی کیوں نہیں اس لڑکی سے انجانے میں ہی ہمدردی ہوگئی ہے۔''

''وہ ہے بھی ہمدردی' محبت کے قابل جانے کیسی قسمت ہے اس کی۔'' ارجمند خاتون نے گہرا سانس لیا۔

''بھابھی کو بھی لے چلیں۔'' علی نے کہا۔

''انہیں رہنے دیں وہ اپنی کزن کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی گئی ہیں اس مہینے ان کے بھائی کی شادی ہے۔'' پلوشہ نے قدرے ناگواری سے کہا۔ عمر آفندی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بیٹا اس لڑکی کو تم نے اس کے والدین کے متعلق بتا دیا ہے۔'' اچانک ہی آفندی صاحب نے پوچھا۔

''نہیں بابا جان ہمت نہیں ہو رہی۔'' عمر آفندی کا لہجہ دھیما تھا۔

''بتا دو بیٹا ایسا نہ ہو کہ گزرتا ہوا وقت مزید اسے دکھی کر دے۔ اور ہم نے اس کے والدین کو امانتاً ہی دفن کروایا ہے دکھ تو اسے ہوگا مگر اس کا اور کیا علاج ہو سکتا ہے اس سے پوچھ کر چہرہ دکھا کر دوبارہ دفن کیا جائے ہو سکتا ہے ان کا کوئی آبائی قبرستان ہو۔''

آفندی صاحب نے نرم اور خلوص بھرے لہجے میں سمجھایا۔ عمر آفندی چونک کر انہیں دیکھنے لگے بات تو ان کی بھی صحیح تھی مگر بات وہی ہمت کی تھی جبکہ بقول شہزاد اور ڈاکٹر رعنا کے ابھی وہ دماغی طور پر کمزور تھی۔

''آج کل میں بتا دو تا کہ وہ اس دکھ کو برداشت کر لے۔''

''بابا ان لوگوں کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے بس ان کی فیملی یہ ہی ہے اور اس لڑکی کا نام نایاب ہے پیار سے مینا کہا جاتا ہے۔''

علی نے بتایا تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''اس سے ایک دو دن میری تفصیل سے بات ہوئی تھی سیٹھ اکبر داؤد پر مجھے بھروسا نہیں ہے اس وجہ سے میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ اسے اس حادثے اور والدین کے متعلق بتا دینا چاہیے کیونکہ وہ بہت پریشان ہے ان کے لیے اسے اپنی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔''

ساتھ ہی علی نے رائے دی ماحول پر یکدم ہی دبیز اداسی چھا گئی عمر آفندی اسے اس حقیقت سے روشناس کروانے کے لیے لفظ ڈھونڈنے لگے ایک بار پھر نا صرف اضطراب بلکہ پشیمانی کی کیفیت کا شکار ہو گئے۔

☆☆☆

وہ لوگ ھاسپٹل پہنچے تو وہ بی بی جان اور ڈاکٹر شہزاد سے باتیں کر رہی تھی۔ آنکھ کی پٹی کھل چکی تھی پیشانی پر نئی بینڈیج ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر سکون کے آثار تھے جس سے واضح تھا اپنے والدین سے ملنے کے لیے اس نے کس قدر قوت برداشت سے کام کیا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد نے بھی سر ہلا کر مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔

اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر نایاب سنبھل کر بیٹھ گئی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی پر خلوص مہربان آنکھوں میں محبت کی چمک تھی۔

''خدا اس کی مسکراہٹ کو ہمیشہ قائم رکھے۔''

وہاں موجود لوگوں نے بے ساختہ ہی اس کے لیے دعا کی۔

''مس نایاب میں نے آپ سے کہا تھا نا میں آپ کو اپنے والدین اور سسٹر سے ملواؤں گا۔'' علی مسکرا کر آگے بڑھا۔

''جی' اس نے دھیرے سے سر ہلایا۔

''یہ میرے بابا جان ہیں اور یہ میری امی جان۔'' اس نے سلام کیا دونوں نے محبت و خلوص کے ساتھ اسے پیار کیا۔

''یہ میرا چھوٹا بھائی آصف آفندی یہ میری بہن پلوشہ۔''

''اچھا بس رہنے دیں علی بھائی ہم خود اپنا تعارف کروالیں کیوں نایاب۔'' پلوشہ بلا جھجک مسکرا کر اس کی جانب بڑھی اور ہاتھ تھام کر اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ نایاب نے بھی مسکرا کر ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ کتنے اچھے لوگوں کے درمیان موجود تھی۔

''ہاں ایک ہی کام تو کر سکتی ہو تم بلا جھجک بلا کسی روک ٹوک کے۔''

آصف نے چھیڑا۔

''دوستی کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی' ہے نا۔'' پلوشہ نے تائیدی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اور کیا۔'' نایاب نے اس کی تائید کی سب مسکرا دیئے۔

''اللہ تمہیں خوش رکھے۔''

''یہ عمر آفندی ہیں ان سے تو ملاقات روز ہی ہوتی ہے پھر بھی ہمارا فیملی تعارف مکمل ہو جائے گا عمر آفندی میرے بڑے بھائی ہیں' یہ ڈاکٹر شہزاد آپ کے مسیحا یہ۔۔۔ بی بی جان۔ یہ کمرہ۔۔ یہ چیزیں۔۔۔''

''بس۔۔۔ بس چھوٹے بھائی۔'' عمر نے علی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر سگنل دیا۔

''نان اسٹاپ بولے ہی چلے جاتے ہو۔'' علی خجل ہو گیا۔

نایاب نظامی کو اس فیملی پر بالکل اپنی فیملی کا احساس ہوا ریاکاری سے پاک خوش و مزاج' وہ ضرور ان سب کو اپنے والدین سے ملوائے گی' امی ابو تو ان سب کے گرویدہ ہو جائیں گے'' سوچتے ہوئے وہ خود بخود ہی مسکرا دی۔

''یہ خود بخود کس بات پر ہنسا جا رہا ہے۔''پلوشہ جھک کر پوچھ رہی تھی۔

''آپ لوگ میری امی' ابو سے ملیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔بہت اچھے ہیں وہ بھی۔'' کمرے میں یک لخت سناٹا چھا گیا۔اس نے غیر محسوس طریقے سے سناٹے کو محسوس ہی نہیں کیا۔

''ڈاکٹر صاحب اب تو میں بہت بہتر ہوں میں مل سکتی ہوں نا اپنے امی ابو سے' معلوم نہیں کتنے دن ہو گئے ہیں ان کو دیکھے ہوئے۔''

ڈاکٹر شہزاد نظر چرا کر عمر کو دیکھنے لگا۔عمر کی آنکھیں اور دل سلگنے لگے۔

''بی بی جان آپ سفارش کریں نا میں ضرور آج ان سے ملوں گی' وہ لوگ بھی میرے لیے پریشان ہوں گے میں انہیں تنگ نہیں کروں گی۔''

عاجزی' انکساری چہرے سے ظاہر تھی۔ اس نے دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

''میں اب میڈیسن نہیں لوں گی کچھ نہیں کھاؤں گی جب تک ملوں گی نہیں۔''

ضدی سے انداز میں شکوہ کناں تھی۔

بی بی جان کے پاس لفظ وجذبے ختم تھے اس کے دکھوں کو زائل کرنے کے لیے اس کا سر سینے سے لگا کر سہلایا۔

عمر آفندی جھٹکے سے باہر نکل گئے پیچھے پیچھے شہزاد اور علی بھی تھے۔اونچے لمبے عمر آفندی کو اپنے جذبات پر کنٹرول نہ رہا بے اختیار گرل پر مکے مارنے لگے۔

''شہزاد۔۔۔شہزاد۔۔۔اب کیا ہوگا۔''

''یہ حقیقت ہے عمر ہم گریز و فرار کی راہ اختیار نہیں کر سکتے''شہزاد نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔'' آخر ہمیں حقیقت کا سامنا کرنا ہے' کب تک آخر کب تک۔۔۔''

''لیکن۔''لفظ ہونٹوں پر دم توڑ گئے۔

''ہمیں خدا پر بھروسا رکھنا ہے وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔''

''زیادتی' یہ ظلم ہم سے ہوا ہے۔''

''خود کو سنبھال لو عمر ہونی کو کوئی نہیں روک سکتا۔''علی بھی خاموش ہو گیا۔

''سیٹھ اکبر داؤد کا فون آیا تھا فیصل آباد سے' اپنی بہو کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔''

ڈاکٹر شہزاد نے بتا کر ان کا دھیان بٹایا۔دونوں چونک گئے۔

''بہو!''علی کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں نے اسے بتا دیا کہ ہوش میں ہے زخم بھرنے لگے ہیں اور یہ کہ وہ جلدی ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''پرسوں آئے گا اپنی فیملی کو لینے گیا ہوا تھا وہاں کسی کی ڈیتھ ہو گئی ہے تاہم ہمیں دھیان سے علاج کرنے کی تاکید کی ہے۔''علی دھیرے سے ہنسا۔

''اس فراڈیے کی تو ایسی کی تیسی' آ جائے ذرا۔''علی نے دانت کچکچائے۔

''اور وہاں آج صبح نایاب نے رضا مراد اور عاصم بخاری سے ملاقات کی ہے' بہت خوش ہو رہی تھی وہ' البتہ اکبر داؤد سے ابھی تک ملاقات نہیں ہو سکی۔''

''اس سے تو ایسی ملاقات ہو گی کہ منہ چھپاتا پھرے گا۔''

علی نے دانت کچکچائے' اکبر داؤد کی حقیقت نایاب سے گفتگو کے بعد کھل چکی تھی۔

''میرا خیال ہے اب اسے بتا دیتے ہیں ڈاکٹر رعنا کا بھی یہی خیال ہے۔''

''ہوں''عمر آفندی کی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

علی ان کی اندرونی حالت سے آگاہ تھا۔دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔اور اندر آ گئے۔

اندر نایاب فیروز نظامی ہنستے ہوئے اپنے ابو امی کی باتیں اور نگین کی حماقتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔لیکن ساتھ ساتھ یہ کہنا نہیں بھولتی تھی'' آپ ملیں گے تو خود ہی اندازہ

ہو جائے گا۔''

اس کے لہجے میں والدین کے لیے اٹوٹ محبت تھی' جو محبت اولاد کو اپنے والدین سے بہن بھائیوں سے ہوتی ہے جو حلاوت اس کے لہجے میں پنہاں تھیں۔ اس سے یہ لوگ بہت متاثر تھے۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''میرے ابو امی میرے دوست بھی ہیں مہربان بھی غمگسار بھی میرے سب رشتے ان ہی سے ہیں۔''

اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ گنگنا رہے تھے۔ ''میرے والدین نے اتنی محبت دی ہے کہ کسی اور محبت کا احساس نہیں ہوتا آج بھی میں ان کے یے چند سال کی بچی ہوں اور میں بھی انہیں بچوں کی طرح تنگ کرتی ہوں۔ مگر وہ بیزار نہیں ہوتے آپ ملیں گے تو آپ کو خود ہی یقین آ جائے گا۔''

اس بات کا اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اسے محبت سے دیکھنے والی آنکھیں بند ہو گئی ہیں دعا کے لیے اٹھنے والے ہاتھ ہمیشہ کے لیے گر چکے ہیں۔ سچی اور ابدی خوشیاں منوں مٹی میں تلے سو گئی ہیں۔

''مینا جانو سنبھل کر۔'' نگاہوں ہی نگاہوں میں سرزنش کرنے والی بہن روٹھ گئی ہے۔ سارے رشتے ابدی نیند سو گئے ہیں۔

دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے وہ پلوشہ اور بی بی جان کو اپنی زندگی کے یادگار سفر کے بارے میں بتا رہی تھی جس کے لیے اس نے اپنے ابو امی کو کس طرح منایا تھا۔ کتنی ضد کی تھی۔ اور۔۔۔۔اور۔۔۔۔ خوب صورت سفر زبیدہ نظامی کے الوداع کے بدترین خدشات کی نذر ہو کر ان کی زندگی کو الوداع کہہ کر سفر آخرت کا رخ اختیار کر گیا تھا۔۔۔ اور۔۔۔ شاید اس کی زندگی کا بھی آخری سفر تھا کہ اب ایسے دلچسپ اور خوب صورت سیر و سیاحت کی فرمائش پوری کرنے والے جذبے سو چکے تھے۔ آنے والے اندھیروں سے بے

خبر وہ بتا رہی تھی۔

باہر تینوں خود کو سنبھال رہے تھے۔ لفظوں کو گرفت میں لینے کی کوشش کر رہے تھے جو پھسلتے جا رہے تھے۔

اچانک ہی خزاں رسیدہ' خشک' بنجر' ہواؤں کا شور بڑھ گیا۔ موسم خزاں کا آج پہلا دن تھا جو جانے کس کی زندگی پر چھا چکی تھی وہ ضدی نہیں تھی لیکن ضد کر رہی تھی۔

''مجھے میڈیسن نہیں لینی' مجھے کچھ نہیں کھانا' بینڈیج بھی نہیں کروانی' بس امی ابو کے پاس جانا ہے۔''

روم نمبر تیرہ میں زرد روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔

وہ بی بی جان کا ہاتھ تھام کر عاجزی' انکساری' بے بسی سے التجا کر رہی تھی۔

''ایک بار صرف ایک بار ملوا دیں میں انہیں تنگ نہیں کروں گی۔'' اس کی آنکھیں شدت ضبط گریہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔

بی بی جان نے دکھ کے احساس سے مغلوب ہو کر اسے سینے میں چھپا لیا۔

''میری جان۔۔۔میری بچی۔'' جانے کیسے آنسو تھے جو شدت سے نکلنے کو بے تاب تھے۔

''صبر۔۔۔صبر میری بچی صبر' خدا کو یہی منظور تھا۔ تمہارا امتحان مقصود ہے آزمائش کی گھڑی سے تمہیں ثابت قدمی سے گزرنا ہے۔''

ڈاکٹر رعنا' ڈاکٹر شہزاد' ڈاکٹر عندلیب اندر آ گئے۔

''خدا اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے میری جان سنبھل کر۔''

لیکن وہ سن کہاں رہی تھی ان کی آغوش میں منہ چھپا کر ایک ہی جملہ ادا کر رہی تھی۔

''ایک بار صرف ایک بار تو ملوا دیں۔''

لیکن بی بی جان کہہ رہی ہیں۔

''یہی مشیت ایزدی ہے یہی صبر کا مقام ہے۔ یہ ہی پل صراط ہے سزا کے بعد جزا ہے' آزمائش کے بعد انعام ہے۔''

ان کے لفظوں پر چونک اس نے خوفزدہ ہو کر سر اٹھایا چہرے اور آنکھوں میں وحشت تھی۔

''بیٹی!'' ڈاکٹر رعنا آگے بڑھے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تمہارے والدین۔''

''کیا ہوا انہیں۔'' اس کی خوف ودہشت عود کر آئی سرعت سے پیچھے ہٹ کر ہاتھ جھٹکا۔

''اس شدید اندوہناک حادثے کا شکار ہو کر وہ ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر کے منوں مٹی کے تلے جا سوئے ہیں۔'' انہوں نے کہہ دیا کہنا ہی تھا اب۔

''کیا۔۔۔'' وہ سسک کر بے یقینی سے بیڈ کے کونے پر سمٹی۔''

''ہاں بیٹا تمہاری حالت کے پیش نظر تمہیں بتایا نہیں لیکن یہ سچ ہے اس قیامت خیز حادثے میں بچ جانے والوں میں تم واحد فرد تھیں جو۔''

مگر وہ سن کب رہی تھی جھولا' اوپر بہت اوپر جا رہا تھا۔ بلندیوں پر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بے یقین کی فضا تھی۔ ہواؤں میں سنگریزوں کی چبھن تھی' سمندری گیلی سیاہ ریت کی چبھن تھی۔

جھولا تیزی سے اس کے وجود کو گراتا نیچے لا رہا تھا۔ رسی مضبوط نہیں تھی وہ گرنے کو تھی' فضا میں ہاتھ معلق ہو گئے جھولا جھٹکے سے ٹوٹ گیا تیز طوفانی ہواؤں کا مقابلہ نہ کر سکا وہ بہت زور سے پتھریلی' نوکیلی زمین پر چاروں شانے چت گر گئی تھی اس نے بوکھلا کر اپنے سر کو تھام کر ذرا سی آنکھ کھولی۔

''یہ لوگ اتنے افسردہ تھکے ہوئے کیوں ہیں ان کے چہرے بنجر کیوں ہیں۔ انہیں کیا

ہوا ہے؟ گری تو میں ہوں چوٹ تو مجھے لگی ہے۔ امی ابو مجھے سنبھال لیں گے یہ اندھیرا سا کیوں پھیل گیا زرد رنگ سب پر سبقت کیوں لے گیا ہے' یہ۔۔۔ یہ۔۔۔'' اور پھر ہوش و حواس کی ساری طنابیں ٹوٹ گئیں۔

اس سے پہلے کہ تمام ڈائریکٹرز اس کو آگے بڑھ کر سنبھالتے وہ بیڈ سے نیچے گر گئی اس کا سر لوہے کے اسٹینڈ سے ٹکرایا' اور اس کی پیشانی کے مندمل ہوتے ہیں زخم سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔

☆☆☆

پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑ جاتی ہے وہ کیا کرتے ہیں

اور اب وہ پچھلے پندرہ دن سے کومے میں تھی۔ اردگرد سے بے خبر' ہوش و حواس سے بیگانہ' اس کی تقدیر بگڑ چکی تھی' اور بگڑنے والی چیزیں کب سنبھلا کرتی ہیں۔

ڈاکٹرز اس کی حالت دیکھ کر سخت متفکر تھے۔ چوٹ پر چوٹ شدید لگی تھی۔

بی بی اس کا ہاتھ تھامے اشک بہاتی اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتی دم کیے جاتیں عمر آفندی خود کو اس صورتحال کا ذمہ دار گردانتے' معاف کرنے کے لیے قطعی تیار نہ تھے۔ نہ وہ اس قدر ایموشنل ہوتے اور نہ ہی یہ حادثہ ہوتا۔

''اب۔۔۔ اب کیا ہوگا؟ آگے کیا کرنا چاہیے اگر اس لڑکی کی حالت سدھر نہ سکی تو۔ یہ ٹھیک نہ ہو سکی پھر۔۔۔ ہوش آنے پر اس کی نظروں کا سامنا کیسے کریں گے۔''

''کیا بتائیں گے کہ جو مجرم ہیں' انہوں نے پناہ دی ہے کس طرح اپنے ناقابل معافی جرم کا اقرار کریں گے۔ کاش! کاش! اُس دن وہ گاڑی ڈرائیو نا کرتے۔''

اوہ میرے خدایا۔۔۔ اس کے بے جان وجود کو دیکھتے دیکھتے آبدیدہ ہو جاتے دل پر منوں بوجھ بڑھ جاتا۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی۔ بی بی جان کی باتیں

بھی مطمئن نہ کرتیں۔

وہ شدت سے اس کے ہوش میں آنے کی منتظر تھے۔

عاصم بخاری اور رضا مراد بھی اس کی حالت سے سخت پریشان تھے۔بدنصیبی نے کیوں ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔سب کچھ تو ہو ختم چکا تھا' یہ بد نصیبی کا نیا چکر کیسے شروع ہو گیا تھا۔

''شہزاد۔۔۔شہزاد اب کیا ہو گا۔''

اونچے لمبے گریس فل سے عمر آفندی بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام کر رو پڑے۔

''ٹیک اٹ ایزی یار سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کب شہزاد۔۔۔آج بیس دن ہو چکے ہیں۔''

''کومے کی حالت میں انسان مہینوں گزار دیتا ہے۔قسمت اور زندگی ہوتی ہے تو نکل آتا ہے ورنہ یہیں سے ایک نیا سفر بھی شروع ہو سکتا ہے۔''شہزاد ڈاکٹر تھا اور حقیقت سے بے خبر نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

''تو۔۔تو کیا۔۔۔؟''عمر نے دہشت سے اسے دیکھا۔

''ہاں اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ایک تو وہ دماغی طور پر بہت کمزور تھی' دماغ کے گھاؤ ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے کہ ان پر دوبارہ شدید ضرب لگی ہے وہ اپنی یادداشت بھی کھو سکتی ہے۔''

''شہزاد۔۔۔شہزاد۔۔۔''عمر نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ایسا نہیں ہو سکتا تم اس کا علاج کرو' روپے کی فکر مت کرو۔ہم اسے لندن' امریکا جہاں اس کا علاج ممکن ہو لے جائیں گے خدا کے واسطے۔اس کی۔''

''پلیز۔۔۔پلیز عمر کیا ہو گیا ہے تمہیں۔

دعا کرو کہ ایسا نہ ہو۔میں تمہیں سمجھا رہا ہوں ایسی شدید چوٹیں انسان کو دنیا و مافیہا

سے بے خبر غافل کر دیتی ہیں۔''ہم کوشش تو کر رہے ہیں نا۔

اور عمر آفندی ٹھنڈے یخ ستون سے پیشانی ٹکائے اس کی خیر خواہی اور سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔

شیشے کی موٹی یخ دیوار کے پار اس کا وجود تقریباً بے جان تھا۔آکسیجن ماسک نے اس کے چہرے کو چھپا لیا تھا' اب سب کے دل اسکے دکھ پر نوحہ کناں تھے۔سب کو ہی احساس تھا ان کی غلطی' کوتاہی کا کتنا بڑا ازالہ اس ننھی سی لڑکی کو ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

''کاش وہ سب نہیں ہوتا؟''

کاش کے پیچھے کی ساری حقیقتیں اور آگے کی ساری وسعتیں ایک وہی رب دو جہاں ہے جو بہتر انداز سے جانتا ہے۔

سیٹھ اکبر داؤد واپس آ گیا تھا۔اپنی بیوی کے ساتھ ہاسپٹل نایاب سے ملنے آیا اس نئی صورتحال نے اسے پہلے تو ایک دم سے ساکت کیا اور پھر یکدم ہی ہوش میں آ کر ڈاکٹرز' عمر آفندی وغیرہ پر برسنے لگا۔

''تم لوگوں نے سخت دھوکا' فریب سے کام لیا ہے تاکہ پولیس کیس نہ بن سکے کوئی پریشان حال نہیں ہے نا اس کا اسے لیے تم لوگوں نے اس کو گہری نیند سلا دیا۔لیکن یاد رکھو میں [illegible]رہ ہوں یہ میری بہو ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تم لوگوں کو نہیں بخشوں گا' ایک ایک کو عدالت میں لے جاؤں گا۔تم لوگ کورٹ کچہری' کیس سے بچنا چاہتے ہو نا اسی لیے۔مگر جان لو۔۔میں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت قطعی نہیں دوں گا۔''وہ مسلسل چیخ رہا تھا اردگرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔

''اس لیے تم لوگوں نے اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دیا۔مجھے اس سے ملنے نہیں دیا۔میں سمجھ گیا ہوں تمہاری سب چالوں کو تم لوگ اس معصوم' یتیم و بے بس بچی کی جان لے کر اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہو۔دوسرا اس کی جائیداد ہتھیانا چاہتے ہو۔۔؟ مگر ایسا

میرے جیتے جی ممکن نہیں ہے' اب تم لوگوں سے عدالت میں ہی ملاقات ہوگی۔'' خونخوار نگاہوں سے عمر اور علی آفندی کو دیکھا' بکتا جھکتا وہ پلٹا۔ عاصم بخاری اور رضا مراد بھی کھڑے تھے۔ فیروز نظامی کے ساتھ ایک دو مرتبہ ہی اسے دیکھا تھا۔ شکل سے ہی کائیاں اور گھاگ قسم کا آدمی لگتا تھا۔ پہلا احساس ہی ان دونوں کو یہ ہوا تھا کہ فیروز نظامی جیسے ملنسار مستقل مزاج شخص کی دوستی اس آدمی سے کیسے ہوگئی۔ لیکن پھر خیال جھٹک دیا۔ کاروباری دنیا میں انسان ہزار طرح کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے۔

''مسٹر اکبر داؤد''

اسے دھمکی دے کر واپس جاتا دیکھ کر بے ساختہ علی آفندی نے دل و دماغ کی کھولن کو کم کر کے اسے پکارا۔ اکبر رکنا نہیں چاہتا تھا پھر بھی پلٹ کر اسے گھورا۔ ان لڑکے سے اسے بہت سے خوف تھے۔

''دھمکی کا شکریہ! لیکن پہلے یہ بتایئے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ ہی لڑکی آپ کی بہو ہے؟'' علی کا اندازہ ذومعنی تھا۔

''کیا مطلب کیا میں اپنی بہو کو نہیں پہچانوں گا؟'' اس نے اچنبھے سے دیکھا۔

''انسان خطا کا پتلا ہے دھوکا کھا سکتا ہے' پھر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ چہرے مماثلت رکھتے ہیں۔''

''بکواس بند کرو تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' مشتعل انداز تھا۔

''اسی بات کی تردید اور ثبوت کہ یہ واقعی آپ کی بہو ہے یا۔''

''بکواس بند کرو یہ میری بہو نگین ہے فیروز نظامی کی بڑی بیٹی۔''

''یہیں تو آپ غلطی پر ہیں یہ نگین نہیں نایاب ہے فیروز نظامی کی چھوٹی بیٹی بڑی بیٹی تو۔۔''

''تو۔۔۔ تو تم نیا کھیل کھیلنا چاہتے ہو یا نئی چال چلی ہے تم نے کیا سمجھا ہے میں پاگل

خبطی ہوں جو اپنی بہو کو نہیں پہچانوں گا۔ میرے پاس نکاح کی تصویریں موجود ہیں۔ نکاح نامہ موجود ہے۔ پھر خود میرا بیٹا اس کا شوہر زندہ ہے' آ رہا ہے۔ خود ہی دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

کھا جانے والے خونخوار انداز میں انہیں دیکھا اور کچھ سنے بغیر تیز تیز چلتا کوریڈور پار کر گیا۔ پیچھے اس کی بیوی بھی تھی۔

''ہم بھی کچی گولیاں نہیں کھیلتے' اصلی نقلی سب عیاں ہو جائے گا۔'' علی آفندی اس کی جانب گھوما۔

''یہ شخص سراسر دھوکے باز ہے ناجائز فائدہ یقینی انداز میں اٹھانا چاہتا ہے۔ سچا ہوتا تو پہلے دن ہی ثبوت لے آتا۔''

علی کی سوچ ثابت کر رہی تھی کہ وہ ایک ماہر وکیل بن سکتا تھا مگر ایم بی اے نے خوار کر دیا تھا۔ سب علی کی باتوں سے متفق تھے۔ انہیں بھی سچائی کا علم تھا۔

''آپ لوگ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟'' اچانک علی نے رضا مراد اور عاصم بخاری سے پوچھا۔

''فی الحال ہم لوگ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اس شخص کی ذات ہمارے لیے ویسے ہی مشکوک تھی۔ اس کے بعد اتنا بڑا اقدم ہے۔''

''کیا ہم اس بات کی امید رکھیں کہ وقت پڑنے پر آپ لوگ گواہی دیں گے' اس لیے کہ اس جیسے عیار و مکار شخص سے کسی بات کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''وائے ناٹ!۔۔۔ فیروز نظامی ہم سب کو بہت عزیز تھا اس کی موت ہم سب کا عظیم نقصان ہے اس کی بیٹی ہماری بیٹی ہے۔'' خلوص' ہمدردی' انسیت ان کے لہجوں میں عیاں تھی۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے حالت کومے میں گئے ہوئے مگر اس کی حالت میں ذرا بھی

تبدیلی نہیں آئی تھی۔

بی بی جان کو اس کا دکھ بہت تھا جانے کون کون سی قرآنی آیات کا ورد کر کے اس پر پھونکتی رہتیں۔ جانے اس کی قسمت میں مزید کیا رقم تھا۔ کوئی دوا' کوئی دعا اثر نہیں کر رہی تھی۔ ڈاکٹرز اس کی حالت سے مایوس تھے۔

اکبر داؤد روز آتا۔ ڈاکٹرز سے اس کی خیریت دریافت کرتا اور ان لوگوں پر خونخوار نگاہیں ڈالتا چلا جاتا۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی وہ اپنے ساتھ ایک انسپکٹر اور ایک وکیل لے آیا سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یہ انسپکٹر وحید جو اس سارے کیس کی تحقیق کریں گے۔ اور یہ وکیل احسان احمد ہے جو کہ یہ مقدمہ لڑیں گے۔''

عمر آفندی کا تو خون کھول اٹھا اس وقت اگر علی ہوتا تو ضرور اس صورتحال سے حظ اٹھاتا اور مزاحیہ رنگ دیتا۔

''مسٹر اکبر اس وقت صورت حال بہت سنگین ہے اور مریضہ موت و زندگی کی کشمکش سے دوچار ہے۔ ہم اس کی زندگی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ برائے مہربانی آپ اپنی بساط کو سمیٹیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں۔''

''تم۔۔۔! تم کیسے مجھے یہاں سے نکال سکتے ہو یہ میری بہو میری ذمہ داری ہے۔''

اکبر داؤد اچھل پڑا۔

''اس بات کا فیصلہ نایاب کے ہوش میں آنے پر ہوگا کہ اس کا تم سے کیا رشتہ ہے اس وقت ہماری ذمہ داری ہے۔''

''مگر مجھے تم لوگوں پر قطعی بھروسا نہیں ہے تم لوگ اس کی دولت کی وجہ سے اسے مار بھی سکتے ہو۔''

''لعنت ہو تمہاری سوچ پر۔ تم یہ بے ہودہ بات سوچتے رہو لیکن آئندہ اگر یہ کھڑاگ پھیلایا تو اندر کی سیر تم کر کے آؤ گے دوسری بات یہ کہ آئندہ تم یہاں نظر مت آؤ یہ ہوش میں آ جائے گی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی۔''

عمر آفندی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے اٹھا کر اوپر سے نیچے پھینک دے۔

اور اکبر داؤد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عمر آفندی کو سالم نگل جائے۔

''تم یہ زبردستی نہیں کر سکتے میں تم لوگوں پر اغوا اور حبس بے جا کا کیس بھی کر سکتا ہوں۔''

''کرنے کو تو تم بہت کچھ کر سکتے ہو لیکن پہلے اس بات کا فیصلہ تو ہونے دو کہ اصلیت کیا ہے؟''

عمر آفندی بہت برداشت کر رہے تھے۔

اکبر داؤد سرخ سرخ آنکھوں سے انہیں گھورتا رہا اس سے پہلے معاملہ حد درجہ بگڑتا۔ لوگ متوجہ ہونے لگتے۔ ڈاکٹر شہزاد عمر کو لے کر اپنے روم میں چلا گیا۔

''بہت چالاک اور عیار لوگوں میں پھنس گئی ہے میری بہو آپ لوگوں کو ہر حال میں ان لوگوں کے چنگل سے چھڑانا ہے میری بہو کو۔''

اکبر دروازے کو گھورتے ہوئے دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔

''جی۔۔۔جی ضرور کیوں نہیں۔ ہمارا تو کام ہی یہ ہے۔''

''مریضہ کو ہوش کب تک آ جائے گا؟''

''اس بارے میں بھی متفکر ہوں اچھی خاصی ہوش میں آ گئی تھی ابھی میں اس سے ملا بھی نہیں ہوں کہ دوبارہ اس پر طویل بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔ مجھے تو کوئی اور گھپلا لگتا ہے یہ لوگ حادثے کے ذمہ دار ہیں اور اب دولت کی وجہ سے اس لڑکی کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا نبٹ لوں گا۔''

مٹھیاں بھینچ کر کینہ توز نگاہ ان پر ڈالی۔

وکیل اور انسپکٹر دونوں کی ہمدردیاں سمیٹ لینا چاہتا تھا۔ اور پھر پیسہ جب انسان کے پاس اس کی وافر مقدار ہو تو سیاہ بھی سفید ہو جاتا ہے۔

"یہ لوگ حادثے کے ذمہ دار ہیں انہوں نے جان بوجھ کر یہ حادثہ کیا جانتے تھے کہ فیروز اکیلا آدمی اتنی بڑی جائیداد کا وارث بیٹا باہر کا ہو کر رہ گیا ہے کون پرسان حال ہوگا۔ ساری دولت ہتھیا لیں گے۔ مجھے ایک بار اپنی بہو سے ملنے نہیں دیتے۔ لہجے کو نم کیا۔

دونوں اشخاص بہ غور ان کی گفتگو سن رہے تھے بڑی ہی مضبوط آسامی ہاتھ آ گئی تھی۔

اور اب انہوں نے جال بچھایا ہے جانے کیا کر دیا ہے کہ ایک طویل بے ہوشی اس پر طاری ہوگئی ہے یہ لوگ خدا کے قہر سے نہیں ڈرتے۔ دولت تو ہاتھ کی میل ہے میں ایک بار اپنی بہو سے مل لوں پھر کیسا سبق سکھاتا ہوں ان لالچی لوگوں کو اکبر داؤد انہیں بتا رہا تھا۔ اور......

اکبر داؤد نے کمال معصومیت سے تمام پہلوؤں سے مکاری سے کنی کترائی اور پہلو بچا کر گزرا۔

"یہ تو ظلم وزیادتی ہے" وکیل نے کہا۔

"بس اب آپ لوگ ہی ہیں واحد سہارا اس کو بچالیں میں آپ لوگوں کو مکمل فیس دوں گا۔ ان کے کسی بھی منصوبہ کو کامیاب نہیں ہونے دیں۔"

"ہوں!" انسپکٹر وحید کچھ سوچنے لگا۔

"مریضہ کو ہوش میں آنا بہت ضروری ہے آپ فکر نہ کریں قانون کا کام ہی انصاف کرنا ہے۔" انہوں نے تسلی دی۔

"شریفوں کی سنتا ہی کون ہے شریف ہی مارا جاتا ہے۔"

اکبر نے آنکھوں کو زبردستی رگڑ کر نم کیا۔ انسپکٹر وحید نے شانوں پر ہاتھ رکھا وکیل احسان احمد نے ہاتھ تھام یا اور تسلی وتشفی کے پھائے رکھتے ہنے باہر لے آئے۔



تمام گھر والے ہی نایاب کے بارے میں متفکر تھے ماسوائے لالہ رخ' نایاب کیلئے ایک عجیب سی جلن وحسد رکھتی تھی۔

اس پر مستزاد عمر آفندی کا اس پر مکمل استحقاق اس تمام عرصے میں وہ بہت کم نظر آئے تھے۔ آفس سے ہی ادھر چلے جاتے۔ آصف سے وہ تمام روداد باتوں باتوں میں پوچھ لیتی تھی۔ اور اس کے خون کا نقطہ انجماد بلند ہوتا جاتا۔ گھر والوں سے بھی اس نے گریز کی راہ اختیار کی ہوئی تھی۔

ایک تو ویسے ہی اسے یقین تھا کہ عمر کی نجانے کتنی لڑکیوں سے دوستی ہے' پھر وہ انہیں اولاد بھی نہ دے سکی تھی اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ خدا کی دین ہے' مگر اپنے دل کے بد ترین خدشات کا کیا کرتی وہ اب یقین ہو چلا تھا کہ عمر اسے فراموش کر چکے ہیں پہلے جیسا والہانہ پن' وہ قربت' محبت کچھ بھی تو نہ تھا۔ بہت کھنچ گئے تھے وہ اس سے۔

کیا محبت کی ناؤ ڈوبنے کو ہے؟

کیا اس کی ذات کا ساحل بکھرنے کو ہے۔؟

لالہ رخ بہت جذباتی عورت تھی اور عورت اگر جذبات سے سوچے تو اس دھارے میں بہہ جاتی ہے۔ عورت کی قوت ارادی مضبوط ہو۔ قوت فیصلہ مستحکم ہو' اور افہام وتفہیم کی فضا کو برقرار رکھنے کے سارے گر جانتی ہو تو پھر کوئی شک نہیں کہ وہ محبت کی گرتی دیوار کو روک نہ سکے' محبت کی ڈوبتی ناؤ کو بچا نہ سکے۔

محبت کی کشتی میں شک کا سوراخ ہوگیا تھا۔ اور شک زندگیوں کے پھولوں کو گہنا دیتا ہے۔

جذباتیت عورت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔ عقل وشعور کا فیصلہ مستحکم ہوتا ہے۔ لالہ رخ عمر پر گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سراسر جذباتیت سے سوچ رہی تھی۔ اور جذبات ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

عمر آفندی کو اولاد سے زیادہ گھریلو سکھ کی ضرورت تھی جو اب ان کی زندگی سے ناپید ہوگیا تھا۔ ان کی محبت ان سے روٹھ چکی تھی۔ اور جسے منانے کا ان کا ارادہ بھی نہیں تھا۔

اور ان کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا تھا' اوپر سے یہ اندوہناک حادثہ انہیں شدید اضطراب میں مبتلا رکھتا تھا۔ لالہ رخ ہر صورت عمر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنی چاہتی تھی۔

پاگل عورت یہ نہیں جانتی تھی مرد کوئی نوعمر بچہ نہیں ہوتا جس کے گرد حصار کھینچ کر گرفت میں لے لیا جائے۔ مرد کو محبت' یقین' اعتماد' اعتماد کی زنجیروں میں جکڑ کر جانے دو وہ اس کی گرفت میں رہے گا۔

لالہ رخ کے سلگتے ذہن میں عمر آفندی کو روکنے کے لیے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ وہ کسی صورت میں شراکت برداشت نہیں کرے گی۔ آخر اس نے محبت کی تھی' اور عمر آفندی صرف اس کے تھے۔

اور عمر آفندی نے ہر صورت راہ فرار اختیار کرنے کے بارے میں سوچ لیا تھا وقت ان کی زندگی کی بساط پر ایک نئی چال چلنے کو تیار تھا۔ اکثر لمحے بے مہر ہوتے ہیں بے ثمر ہی گزر جاتے ہیں۔

گھر والوں کی مکمل توجہ نے بھی اسے مشتعل کر دیا تھا۔

''کیا اس لڑکی میں ایسا ہے کہ سارا گھر اس کا گرویدہ ہے۔''

اس روز لالہ رخ نے پلوشہ سے پوچھ لیا۔

پلوشہ چونک کر جلن وحسد کی آنچ کو محسوس کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''شکر ہے بھابھی آپ کو بھی اس کا خیال تو آیا۔'' وہ سر جھکا کر دوبارہ پودے کی جڑیں کریدنے لگی۔

''کیوں تم کیا سمجھتی ہو کیا مجھے خیال نہیں ہے۔''

''ہوگا مگر آپ نے ظاہر نہیں کیا۔''

''تم اگر میری جگہ ہوتیں تو پھر تم سے پوچھتی۔'' پلوشہ نے چہرہ گھما کر دیکھا سورج کی شعاعیں چہرے پر تھیں۔

''وہ مظلوم' بے حس' یتیم لڑکی ہے۔''

''ہوگی لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی کا سکھ اور چین ہی دان کر دے دنیا تو ایسے لوگوں سے بھری ہے۔'' تیکھے چتونوں سے اُسے دیکھا۔

''بے شک لیکن وہ شخص ذمہ دار ہو اور پھر حساس بھی تو اس کے دل کی لگی بن جاتی ہے یہ صورت حال بھائی کی ہے حادثہ کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔'' مٹی ہموار کر کے اسے سمجھایا۔

''بے شک لیکن خدا کے کاموں میں کسی کا دخل۔۔۔؟''

''یہ انسان کی فاش غلطی ہے مگر ہم انسانوں کی عادت ہے ہر نقصان کو تقدیر پر ڈالتے ہیں خود سوچیں اگر ماحول پرسکون ہوتا تو حادثہ ہوتا۔'' پلوشہ نے رک کر اسے دیکھا اور مٹی والے ہاتھ دھونے لگی۔

''آپ چلیں گی تو آپ کو خود اس کی مظلومیت پر رحم وترس آ جائے گا۔''

''ہوں!'' بے فکری سے بالوں میں انگلیاں پھیرتی وہ گویا ہوئی۔

''اب جاؤ تو مجھے ساتھ لے کر چلنا۔'' اس نے کچھ سوچ کر کہا پلوشہ ایک نگاہ اس پر ڈال کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

نایاب کے نیم جاں وجود کو دیکھ کر لمحہ بھر کو لالہ رخ بھی ساکت ہوگئی۔حسن' معصومیت وکم عمری ہو ساتھ ہی مظلوم بھی ہو تو زیادہ ٹریکٹ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ نیم جاں وجود حسین بھی تھا' اور پرکشش بھی اور لالہ رخ کی طبیعت شکی مزاج تھی۔

اس کے شک کو تقویت ملنے لگی۔

"آج کومے میں تھی کل ہوش آجاتا۔عمر آفندی یونہی اپنے دن رات خوار نہیں کررہے ہیں۔وہ ضرور اس لڑکی سے شادی کے پروگرام بنا رہے ہوں گے۔" اس بھری دنیا میں وہ تنہا بھی تھی اور مظلوم بھی۔

لالہ رخ ناقص العقل تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ دل سے سکون رخصت ہوجائے تو مرد ویسے بھی حقدار بن جاتا ہے۔ ہر کہانی کا انجام سکھ اور شانتی ہوتا ہے۔

اور اب بی بی جان اور دیگر افراد خانہ کی توجہ نے اور زیادہ ماحول و حالات کو مشکوک بنا دیا تھا۔وہ آج کل خود کو بہت زیادہ تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔اس کا دل جانے کیسے کیسے ارادے بدلتا' بناتا اور بگاڑتا رہتا مگر کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔وہ بھی سب کی طرح اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگی۔

عمر آفندی' ڈاکٹرز' عاصم بخاری اور رضا مراد کے ساتھ دیگر افراد بھی اس کی صحت یابی کے شدت سے منتظر تھے۔

اس روز ایک بار پھر معجزہ ہو گیا اب نایاب فیروز نظامی کی زندگی شاید معجزات کے ساتھ ساتھ بسر ہوئی تھی۔

بی بی جان اس پر قرآنی آیات پڑھ کر دم کررہی تھیں انہیں اس کی زندگی اور سلامتی کی امید تھی۔ہاتھوں کی ہلکی سی جنبش اور پلکوں کی لرزش نے ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری کردی اسے ہوش آرہا تھا دم بخود اُسے دیکھے گئیں۔چند لمحے ساکت ہوئیں۔دوسرے لمحے بے تابانہ خوشی سے انہیں نے ڈاکٹرز روم کی بیل بجادی۔"

"میری بچی' میری جان۔" انہوں نے اس پر جھک کر بوسہ لے لیا۔

"چند لمحوں بعد ڈاکٹر شیراز اور خرم موجود تھے۔

بے ہوشی کا طویل دورانیہ ختم ہوگیا تھا وہ حالت کومے سے نکل آئی تھی۔ڈاکٹر شہزاد اسے چیک کرنے لگا۔آکسیجن ماسک وغیرہ اس کے پاس سے ہٹالیے گئے۔تھوڑی دیر بعد اس کی پلکوں میں لرزش ہوئی' اور اس نے پلکیں کھول دیں۔

"شکر اللہ کا!" بی بی جان صد شکر ادا کرنے لگیں۔

اس کے چہرے پر بے پناہ نقاہت تھی۔وجود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔چہرے پر زردیاں تھیں۔

"اب کیسا محسوس کررہی ہو؟"

ذرا سا جھک کر ڈاکٹر شہزاد نے اس کی کلائی تھام کر پوچھا۔اس نے آواز کی سمت سر گھمایا۔

دوسرے لمحے ڈاکٹر شہزاد چونک گیا۔اس کی سیاہ غزالی آنکھوں کی پتلیوں میں اجنبیت کا تاثر تھا لاتعلقی تھی' چہرے پر پہچان کا کوئی عکس نہیں تھا' اگرچہ دو ماہ سے زیر علاج تھی۔اور اس کے سوال نے سب کو ساکت کردیا۔

"میں کون ہوں' اور کہاں ہوں؟" اک سرد سی لہر ان کے وجود میں دوڑ گئی۔تیزی سے اندر آتے عمر آفندی ساکت ہوگئے۔

نایاب اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔

عمر آفندی نے نم آنکھوں کے ساتھ دیوار پر مکا مارا اور اس پر اپنی پیشانی ٹکا کر رو دیئے۔

"تم!" تم میری بچی ہو نایاب۔" سب سے پہلے بی بی جان نے سنبھل کر اسے سینے سے لگالیا۔

''مجھے کیا ہوا ہے؟''مکمل غائب دماغی کا شکار تھی۔''سیڑھیوں سے گر گئی تھیں بیٹا تم 'سر پہ چوٹ لگی تھی۔''سرعت سے کہا

''اچھا۔!ابھی میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''شکر ہے تمہیں ہوش تو آیا چلو ڈاکٹر جلدی سے میری بیٹی کو اچھی سے دوا دو تا کہ اس کے سر کا درد ٹھیک ہو جائے۔''آنسوؤں کی یورش کو پیچھے دھکیلا۔

''جی؟''ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔

بی بی جان نے اس بار پھر اس ے سینے سے لگا لیا بوڑھی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

''اب کیا ہوگا؟''عمر آفندی کی بے چین و بے قرار آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی عمر انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا سب۔''

''شہزاد وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے۔''

''ہاں بے شک مگر ابھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ سب کچھ یکسر ہی فراموش کر چکی ہے اپنا ماضی یا پھر کچھ باتیں کچھ واقعات فراموش ہوئے ہیں۔

پہلی صورت میں وقت خود یادداشت واپس لے آتا ہے کوئی چوٹ کوئی حادثہ یا یاد کا کوئی حصہ انسان کو دوبارہ ماضی سے ملا دیتا ہے۔ دوسری صورت میں علاج ممکن ہے میڈیسن سے یہ طویل خود فراموشی ختم ہو سکتی ہے یا نفسیاتی حربے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ گھر کا ماحول' مقامات اور دلچسپی کا سامان یادداشت کی واپسی کا سبب بن جاتے ہیں۔لیکن ان دونوں چیزوں میں اصل چیز توجہ ہے مکمل توجہ سے ہی علاج ممکن ہو سکتا ہے؟''

ڈاکٹر شہزاد نے نہ صرف ریلکس ہونے کا مشورہ دیا بلکہ انہیں خاصی تفصیل سے سمجھایا۔ مگر عمر آفندی خالی ذہن لیے اسے تکے جا رہے تھے۔

ابھی تو انہیں اس عظیم گناہ کی اس سانحے کی اس سے معافی مانگنی تھی۔نئی زندگی کی

شروعات کے لیے اس کی مدد کرنی تھی۔اسے حوصلہ و یقین دینا تھا۔اس کا دکھ بانٹنا تھا۔ یہ کیا ہو گیا؟!انہیں تو کسی چیز کا موقع ہی نہیں ملا اور وہ عالم فراموشی کا سفر اختیار کر گئی۔ یہ اس کی والدین سے اس کا شدید لگاؤ انسیت تھی۔اس کی حساس طبیعت تھی۔

''ابھی ہمارے پاس بہت سارے چانسز موجود ہیں'ابھی سنیئر ڈاکٹرز اس کا چیک اپ کریں گے۔حوصلہ رکھو میرے دوست۔''ڈاکٹر شہزاد ان کی اندرونی کیفیات سے واقف تھا۔

''شہزاد۔۔۔شہزاد''عمر آفندی روہانسے ہو گئے۔

''ہم اسے علاج کے لیے باہر لے جا سکتے ہیں۔''

''سب کچھ ممکن ہے۔۔سب کچھ۔''

''لیکن!لیکن جب سیاہ بادل چھا جاتے ہیں نا شہزاد تو کچھ بھی ممکن نہیں رہتا۔ جب بے یقینی راستہ دیکھ لیتی ہے تو سب در بند ہو جاتے ہیں۔ میں گنہگار ہوں۔اس نے تو مجھے معافی مانگنے کا حق بھی نہیں دیا'اور۔۔۔''

''مایوسی کفر ہے عمر بس اپنا حوصلہ بلند رکھو۔''ڈاکٹر شہزاد نے تسلی دے کر سسٹرز سے چائے لانے کو کہا اور ڈاکٹر رعنا کا ڈائل کرنے لگا۔

☆☆☆

''او ہ میرے خدا۔''علی نے دونوں ہاتھوں پہ سر گرا لیا۔

''یہ کیا ہوا۔ یہ کیسے ہو گیا' یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

آصف'پلوشہ'بابا جان اور ارجمند بانو کو بھی افسوس ہوا۔

''اب کیا ہوگا۔''ہر ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا۔

وہ تو اپنے ماضی سے تمام [illegible] توڑ چکی تھی۔زندگی میں کوئی ہاتھ تھامنے والا نہ تھا اور وہ تھی بھی لڑکی ذات۔

''وہ ہم سب کے قصور کی سزا بھگت رہی ہے بدنصیبی کے سیاہ بادلوں نے اس کے وجود کو ڈھانپ لیا ہے۔'' علی نے سب کی جانب دیکھا۔

''اب وہ یہیں اسی گھر میں آفندی ہاؤس میں رہے گی۔

میں اس سے مل کر آ رہا ہوں۔''

''نہیں۔'' لالہ رخ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔ اس کے اندر کی چیخ بڑی واضح تھی وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اب چھٹکارا مل گیا ہے اس لڑکی کے وجود سے لیکن یہاں تو۔۔۔

''اور تم سب لوگوں کو اس سے اپنی چھوٹی بہن جیسا سلوک کرنا ہے جب تک اسے ہوش نہیں آ جاتا۔''

سنجیدگی سے اس نے سب کے چہروں کو دیکھا اسے یقین تھا کہ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا' آفندی صاحب اور ارجمند بانوں نے بھی تائید کر دی۔ لالہ رخ کے چہرے کی ناگوار شکنیں واضح تھیں۔

اس کے ہوش میں آنے کے کچھ امکان بھی نہیں ہیں۔۔۔''

اس بات کا فیصلہ اس کے ڈسچارج ہونے تک ہوگا۔''

لالہ رخ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اندر کی جانب بڑھ گئی وہ تو کیا سوچ رہی تھی اور کیا ہو گیا۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

☆☆☆

چپ ساکت وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر بی بی جان نماز پڑھ رہی تھی۔ علی' آصف' پلوشہ' امی' بابا کچھ دیر پہلے ہی گئے تھے۔ سب نے اس سے بہت اچھی طرح باتیں کی تھیں۔ ہنسی مذاق ہلا گلا۔ بی بی جان نے سینے سے لگا لیا تھا۔ آئندہ اس قسم کی شرارتوں سے منع کیا تھا۔ اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی یاد آ رہا تھا کہ اس نے کیا شرارت کی تھی جس کی پاداش میں اسے اتنی شدید چوٹ لگی۔ اتنے دن ھاسپٹل رہنا پڑا۔

سر میں مسلسل ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ ایک دم سے کسی چیز کے کھونے کا احساس ہو رہا تھا۔ اندر کہیں وجود میں خالی پن کا احساس اجاگر تھا۔ خود کو اجنبی دیس کی باسی سمجھ رہی تھی۔ ہر چیز مصنوعی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کیا کوئی چوٹ کوئی ضرب اتنی شدید ہو سکتی ہے کہ کچھ یاد ہی نہ آ رہا ہو۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔ ''بی بی جان۔۔۔!'' اس نے دھیرے سے اپنا سر دبایا۔

''کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے بیٹا۔۔'' بی بی جان نے چہرے پر دم کر کے ہاتھ پیشانی پر رکھا۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔

بی بی جان۔۔۔!'' اس نے دھیرے سے ان کا جھریوں بھرا ہاتھ تھام لیا۔

''میں کون ہوں؟''

''میری بیٹی میری جان میرے بیٹے کی نشانی ہے میری پوتی ہے۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگا کر کہا۔

''امی' ابو سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''ان کے متعلق مت پوچھ بیٹا' وقت نے تجھے بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے تیرے سر پر چھتر چھایہ نہیں ہے۔ وقت نے کڑا صدمہ دیا ہے' لیکن میں تیری ماں' تیری دادی' تیری غم گسار ہوں۔ تو تنہا نہیں ہے۔'' انہوں نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔

اس کی آنکھوں کے سوتے خشک اور ذہن خالی تھا باوجود زور دینے پر اپنے والدین کی ذہن میں شبیہہ بھی نہ بنا سکی۔

''مائی گاڈ!'' اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ چکراتے ذہن سے سوچا۔ ''یہ میں کس مقام پر کھڑی ہوں کہیں میری یادداشت!'' اس کے دل میں سوال اٹھا۔ خالی نگاہوں سے بی بی جان کو دیکھا جو خود اسے بتا رہی تھیں کہ وہ اس کی دادی اس کے باپ کی ماں تھیں۔

''مت ذہن پر زور دو بیٹا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے دھیرے سے اسے

بستر پر لٹا دیا۔ اس نے لیٹ کر پلکیں موند لیں۔ خالی ذہن وسیع و عریض صحرا میں کہیں سایہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہچان کا کوئی عکس نہیں تھا۔ ذہن بوجھل پریشان تھا لہٰذا اندھیرے میں گرتا چلا گیا۔

بی بی جان اشکبار آنکھوں سے اس بدنصیب لڑکی کو دیکھے گئیں۔

☆☆☆

''ہوسکتا ہے ان کی یادداشت واپس آجائے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساری عمر یہ اس طرح سے رہیں' لیکن ہماری پوری کوشش ہے کہ ماضی سے ان کا رابطہ بحال ہو جائے۔ اس کے لیے نہ صرف میڈیسن کام کریں گی بلکہ ان کو ان تمام پرانی جگہوں پر لے کر جائیں۔ پرانی باتوں کو یاد دلائیں ہوسکتا ہے کامیابی ہو جائے لیکن ایک بات کا خاص دھیان رکھیں کہ ان کے ساتھ زبردستی نہیں کی جائے۔ ورنہ شدید قسم کا ری ایکشن بھی ہوسکتا ہے۔''

ڈاکٹرز نایاب کے ایکسرے رپورٹ کی روشنی میں اپنا فیصلہ سنا رہے تھے۔

''ڈاکٹر اس کی یادداشت کا لوٹنا بہت ضروری ہے اس بات کا فیصلہ اس کے ہاتھوں میں ہی ہے کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے یا نہیں۔ اس کا ماضی کیا ہے۔ مستقبل کن ہاتھوں میں ہے۔

اکبر داؤد اسے اپنے گھر لے جانے پر بضد ہے اسے اپنی بہو کہتا ہے۔ جبکہ جانے کیوں ہمیں اس پر اعتماد نہیں' اور ابھی تک اس نے کوئی ثبوت بھی فراہم نہیں کیا۔'' عمر آفندی نے بے چینی سے کہا۔

''نکاح ہوا ہے' رخصتی نہیں' عمر ابھی اس کو بھیجنا نہ درست ہے نہ ممکن۔ اسے سمجھائیں کہ یہ صحت یابی تک یہ ممکن نہیں ہے۔''

''ہوں! یہ تو ہوسکتا تھا۔''

''بہتر یہ ہے عمر آفندی کہ اسے فی الحال خود سوچنے دیں اپنے بارے میں آپ لوگ

کوئی بات یاد نہ دلائیں۔''

''جی۔۔۔۔جی'' ڈسچارج کب تک ہو جائیں گی؟''

''کل یا پرسوں تک۔۔۔انہیں بہت سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔''

''چیک اپ کے لیے پابندی سے لاتے رہیں۔''

''جی۔۔۔'' عمر نے فرمانبرداری سے کہا۔

☆☆☆

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میری بہو اجنبیوں میں جائے۔۔۔۔۔'' اکبر داؤد تو سنتے ہی اچھل گیا۔

''اس لیے کہ ابھی اس کا شوہر باہر ہے۔ اس کی کنڈیشن اس قابل نہیں ہے کہ کسی نئی جگہ پر ایڈجسٹ ہو سکے' اس کا علاج ہو رہا ہے۔ پھر نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں' اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔''

عمر آفندی نے سنجیدگی کے ساتھ سخت لہجے میں سمجھا بھی دیا۔

''مگر مجھے تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔''

''یہ ہی بات ہم آپ کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''تم۔۔۔تم۔۔۔مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟'' وہ کھول گیا۔

''آپ کی سوچ کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آپ جائیں۔''

''اس بات کا فیصلہ خود میری بہو کرے گی۔''

''وہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی فیصلہ کر سکے۔'' علی نے زیرک نگاہ ڈالی۔

اکبر داؤد زچ ہو کر رہ گیا۔ وہ اپنے عزائم کو خاک میں ملتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب کچھ اور کرنا تھا۔

''میرا فیملی ڈاکٹر اس کا علاج کرے گا۔'' نیا شوشا چھوڑا۔

”آپ کا فیملی ڈاکٹر اس وقت سو رہا تھا جب اسے ضرورت تھی۔ اب جس ڈاکٹر کے زیر علاج ہے وہی اس کا علاج کرے گا۔“ عمر نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ دونوں میں بحث ہونے لگی۔

”باہر شور کیسا ہے؟“ نایاب اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”معلوم نہیں۔“ بی بی جان اور پلوشہ نے نگاہ چرالی۔ دونوں اس کی چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ آج وہ اسپتال سے رخصت ہو رہی تھی۔

”میری بچی میری بہو۔“ اکبر داؤد اور اس کی بیگم روم میں داخل ہوئے اس کی بیگم نے جھپٹ کر سینے سے لگالیا۔

”ہاں بیٹا تم میری بہو ہو میری بیٹے کی بیوی۔“

اسے یہ دونوں ہی مرد اور عورت عجیب سے محسوس ہوئے جب کہ اس کا دل نئے جذبے لئے نئے احساس کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا ذہن کوئی شبیہہ بنانے کو تیار ہی نہ تھا۔

”بی بی جان۔“ بے چینی رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔

”پلیز آپ لوگ کوئی ایسی بات نہ کریں جس کی وجہ سے ان کی حالت خراب ہو جائے ابھی ان کی کنڈیشن اس قابل نہیں ہے۔“ پلوشہ نے رسان سے کہا۔

”چپ کرو لڑکی یہ میری بہو میری عزت ہے۔“

”مگر ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔“ بی بی جان نے گھورا۔ لمحے بھر کو دونوں چپ ہو گئے۔

عاصم بخاری اور رضا مراد نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور غائب دماغی سے وہ ان سب کو دیکھتی ایک نئے سفر کے لیے گاڑی میں بی بی جان کے پہلو میں بیٹھ گئی بائیں جانب پلوشہ تھی۔

”یہ ابو کے دوست ہیں یاد کیوں نہیں آرہے یہ سب اس کے سنگی ساتھی ہیں احساس کیوں نہیں ہو رہا اس کے ماں باپ نہیں رہے وہ رو کیوں نہیں رہی اسکے بہن بھائی۔“

”سنو!“ وہ پلوشہ کی جانب جھکی۔

”ہوں!“ پلوشہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیا میرے اور بہن بھائی نہیں ہیں۔“

”ہیں کیوں نہیں، ہم سب تمہارے ہیں“

”ہاں بیٹا یہ سب تمہارے ہیں تمہارے بہن بھائی تمہارا خون تمہارے کزن۔“ بی بی جان نے یکدم ہی کہا۔

”مگر تم اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہو۔“ ان کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا آگے بیٹھے عمر آفندی اور علی نے چونک کر بی بی جان کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ رہ گئے۔

”اچھا!“ اس لہجے میں بھی کوئی نیا رشتہ نہیں جاگا۔ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ تیزی سے درخت عمارتیں، گاڑیاں لوگ پیچھے کو جا رہے تھے۔ گاڑی نئے سفر، نئی منزل کی جانب گامزن تھی۔

☆☆☆

دل میں موجزن یقینی اور بے یقینی کے گمان لئے وہ ان سب کے ساتھ آفندی ہاؤس میں داخل ہوئی ارجمند بانو نے والہانہ انداز میں اسے بانہوں میں سمیٹ کر اس کا استقبال کیا آفندی صاحب نے بھی سینے سے لگا کر اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

آصف نے خوبصورت پھولوں کا گلدستہ دیا۔

”وقت نے زخم ضرور دیا ہے بیٹا مگر خود کو اکیلا مت سمجھنا، تم اب مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو“ آفندی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یقین دلایا۔

اور وہ ان سب کے درمیان بیٹھی حسرت سے اپنائیت بھرے احساس کو محسوس کرتی رشتوں کو کھوجتی رہی۔

”کیا ایسا ہو سکتا ہے۔“

ماضی کی یاد کا کوئی لمحہ بھی تو اس کے ساتھ نہیں' دماغ میں ٹیس سی اٹھی بے ساختہ پیشانی کو تھام کر جھکی۔

''پلوشہ اسے اس کے بیڈروم میں لے جاؤ آرام کی شدید ضرورت ہے۔'' عمر آفندی نے دھیرے سے بہن کو کہا اور تیزی سے باہر آتی لالہ رخ اس حکم پر حیران ہوئی زیادہ سکتہ اسے اپنے خدشات اور تفکر کو زندہ سلامت روپ میں اپنے گھر کے لان میں دیکھ کر ہوا' اوپر سے عمر کا خیال رکھنے کا انداز سب کا محبت بھرا برتاؤ اس کے اندر کے شعلوں کو ہوا دے گیا۔

''آؤ' آؤ لالہ دیکھو آج نایاب گھر آئی ہے۔''

بی بی جان نے خندہ پیشانی سے اسے بلایا۔ الٹے قدموں پلٹنے کے بجائے سیدھے قدموں وہ آگے آئی اس سے ملی مگر کس دل سے یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

''یہ عمر بھائی کی وائف ہم سب کی بھابھی ہیں۔''

پلوشہ نے تعارف کروایا اک بے معنی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

پلوشہ نایاب کو اندر' اوپر اس کے بیڈروم میں لے گئی۔ تو سب کے ہونٹوں سے ٹھنڈی اور ملول سی آہ نکل گئی۔

''اب، نایاب اس گھر کا فرد ہے خبردار اگر کسی نے اسے دکھ پہنچانے کی کوشش کی تم لوگوں کے ہاتھوں وہ اس بربادی کو پہنچی ہے۔ تم لوگ ہی اسے سنبھالو گے۔'' بی بی جان نے سب کو دیکھ کر وارننگ دی۔ لالہ رخ کی پیشانی پر کتنے ہی بل پڑ گئے۔ سب ہی بی بی جان کے اس فیصلے سے متفق تھے۔ لیکن لالہ رخ دل میں کچھ اور ہی سوچنے لگی۔

بی بی جان کی خصوصی ہدایت پلوشہ نایاب کی دوست بن گئی تھی۔ سب ہی اس کا خیال رکھتے تھے عمر اور علی تو بس آتے ہی اس کے کمرے میں پہنچ جاتے ہیں۔

علی آفندی پابندی سے فیروز نظامی کے آفس جا رہا تھا اور سارے حالات و واقعات

پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر انہیں حساب دینا تھا اور اکبر داؤد نئے نئے منصوبے بنا رہا تھا۔ عاصم اور رضا مراد کو اس کی حالت کا بہت دکھ تھا' مگر فی الحال کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

☆☆☆

نایاب گھنٹوں دریچے سے لگی باہر دیکھتی رہتی تھی مگر اپنے ہونے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

پلوشہ ہی تھی جو اسے ساتھ ساتھ رکھتی مگر اسے بھی کالج جانا ہوتا تھا کہیں سے بھی تو اپنائیت کا رشتہ بندھا محسوس نہ ہوتا بی بی جان گھنٹوں اسے سمجھایا کرتی تھیں۔ علاج جاری تھا ڈاکٹر رعنا اور ڈاکٹر شہزاد باقاعدگی سے اس کا چیک اپ کر رہے تھے اکبر داؤد پاؤں جلی بلی کی مانند گھوم رہا تھا۔

آفندی ہاؤس آتا تو نایاب کو سامنے ہی نہیں آنے دیا جاتا مبادا اکبر داؤد کہیں الٹی سیدھی بکواس نہ کر دے۔ فریبی انسان سے ایسی ہی امید تھی۔ ابھی تک اس کا بیٹا ہی نہیں آیا تھا عجیب شوہر تھا وہ بھی۔

''وہ میری بہو ہے آپ لوگ ایسا نہیں کر سکتے آج میں اس سے بات کر کے ہی جاؤں گا۔''

''جس تعلق کی آپ بات کر رہے ہیں وہ تعلق وہ کھو چکی ہے اس کا ماضی گم ہو گیا ہے۔''

بی بی جان نے نرمی سے سمجھایا۔ ''بہتر ہے اس کا خیال نکال دیں۔''

''یا پھر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں اب کے آفندی صاحب نے خود بات کی۔

''اس کی صحت ابھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے خود سے یاد دلایا جائے۔''

''کوشش تو کی جا سکتی ہے۔''

''مگر ڈاکٹرز ابھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔''

"آپ لوگ جانے کیسا علاج کروا رہے ہیں اب میرا ڈاکٹر بھی اس کا چیک اپ کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" کچھ سوچ کر آفندی صاحب نے اس کو اجازت دے دی۔

"آپ اپنا اطمینان بھی کر لیں۔"

"کیسی طبیعت ہے نایاب؟" علی اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"میں۔" وہ سنبھل کر بیٹھی۔ بہت حد تک وہ اب مانوس ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"ایسے کیوں گم صم سی اکیلی بیٹھی رہتی ہو۔ باہر لان میں چلی جاؤ بی بی جان ہیں بھابھی امی سب ہی تو ہیں۔"

محبت اور توجہ سے اُسے دیکھا۔

"ہوں!" اس نے گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔

"خود کو تنہا مت سمجھو یہ تو مشیت ایزدی تھا ہم سب لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ یہ وہ جملے کہتے کہتے وہ اندر ہی اندر ندامت محسوس کر رہا تھا اور وہ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئی۔

"میں آخری بار انہیں دیکھ بھی نہ سکی دوسری بات یہ کہ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"تم انہیں آخری بار اس لیے نہیں دیکھ سکیں کہ تمہیں چوٹیں شدید آئی تھیں مسلسل بے ہوش رہیں۔"

"علی۔۔!!" اس نے سر اٹھا کر پہلی بار اسے پکارا۔

"ہوں!!" علی نے بے اختیار بے پناہ خوشی کے احساس سے اسے دیکھا۔

"باوجود کوشش کے مجھے امی ابو کی کوئی بات یاد نہیں آتی وہ کیسے تھے کیسی شکل تھی مجھ سے کیا سلوک کرتے تھے کتنا پیار کرتے تھے کیا ان کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس۔"

"آں۔۔ں۔۔ہاں۔۔" علی نے جز بز ہو کر نظریں چرا لیں۔

اس طرح تو دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں تمہیں تصویریں دکھاؤں گا مگر اس سے پہلے تم ایک کام کرو اتنا مت سوچو جتنا سوچو گی اتنا ہی دماغ پر زور پڑے گا اور تمہارے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے۔"

"کیا ہم لوگ ہمیشہ سے ادھر ہی رہتے تھے علی آج گویا وہ سب کچھ پوچھ لینا چاہتی تھی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں یہ ہی تو گھر ہے ہم سب کا۔" علی اس کے سوالوں سے ایک بار پھر گھبرا گیا اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی دوسرا سوال کرتی اٹھ جانا چاہتا تھا۔

"پھر مجھے انسیت کا اپنائیت کا احساس کیوں نہیں ہوتا، مجھے کیوں احساس ہوتا ہے کہ یہ سب اجنبی ہے ان سے میرا کوئی رشتہ نہیں میں۔" اس نے بے چارگی و بے چینی کے شدید اضطراب سے اسے دیکھا علی اسے دیکھے گیا۔

"میں بہت سارا رونا چاہتی ہوں مگر سمجھ نہیں آتی کہ کس بات پر روؤں ایسے روؤں گی تو سب پاگل سمجھیں گے۔"

"نایاب!!" علی دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھا۔ وہ کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔

"اب دیکھو میرا نام نایاب ہے سب لیتے ہیں مگر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرا کوئی اور نام بھی ہے اس نام سے اپنائیت محسوس نہیں ہوتی۔" وہ اپنے اندر کی گرہیں علی کے سامنے کھول رہی تھی۔ علی کا دل بھی اشکبار ہو گیا۔

"تمہیں یہاں کس قسم کی تشنگی کا احساس ہوتا ہے، کس کے محبت بھرے سلوک میں کمی پائی۔

بات صرف اتنی ہے کہ شدید حادثے نے تمہیں خوف میں مبتلا کر دیا ہے تمہارا علاج ہو رہا ہے نا تم دیکھنا چند ماہ میں تم بالکل صحت مند ہو جاؤ گی، ہشاش بشاش۔" آخری جملے میں مزاحیہ رنگ اختیار کیا۔

"مگر علی۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس اب کچھ نہیں تم صرف اس بات کو سوچو ہم سب تمہارے ہیں۔۔تمہاری خوشی تمہارے غم میں ساتھ ساتھ تم تنہا نہیں ہو خود کو بہلاؤ' بولا کرو بی بی جان پلوشہ' امی بابا اور بھابھی ہیں نا۔" علی نے رسان سے اسے تسلی دی اور وہ بے معنی نظروں سے اسے دیکھے گئی

ایک دم سے ہی علی کے اندر ایک نئے جذبے نے سر اٹھایا۔

اچھی تو اسے پہلے دن ہی لگی تھی۔

"اوکے' میں میں چلتا ہوں۔" وہ ایک دم سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

لامتناہی سوچوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا دھیرے دھیرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ آنکھیں موند کر رہ گئی۔

آنکھوں کے سامنے گھور اندھیرا تھا۔ایک چٹیل میدان' اجنبی زمین' اجنبی احساسات' امی' امی' اور سب۔

یا۔اللہ۔بے اختیار آنکھیں کھولیں۔

اتنا بڑا محل ایسا گھر۔محبت کرنے والے لوگ بی بی جان۔مگر دل .... بے چینی سے سینے کو مسلا......

دل ہے کہ مانتا نہیں۔

ذہن ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

پلوشہ' بھابھی' بی بی جان کی محبت۔وہ بس چپ انہیں دیکھتی انہیں محسوس کرتی ہے۔مگر قربت کا احساس' محبت کا موجزن ساگر' امنڈتا ہی نہیں۔

یا۔اللہ۔کس کشتی کی مسافر بن گئی ہے۔

باوجود ذہن پر زور دینے کا حادثہ اور وجہ حادثات سمجھ ہی نہیں آتا ان سب کے محبت بھرے رویئے۔کیا پوچھے۔

ہر لہجہ' ہر چہرہ اس کے دکھ میں مبتلا اس کو خوش رکھنے کی تگ و دو میں مصروف۔

اف!!...... بے چینی سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

کیا واقعی میری یادداشت چلی گئی ہے۔مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا کچھ۔"

میرے بہن بھائی۔مگر بی بی جان کہتی ہیں کہ تم اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہو۔

میرے۔ابواُن کی تصویریں۔سوچتی سوچتی چونک گئی۔

اس گھر میں کوئی تو تصویر ہو گی میں پلوشہ سے کہوں گی مجھے دکھائے۔

پھر!..... پھر مجھے سب یاد آ جائے گا۔

اس کے وجود کے بے چین سمندر میں یقین کی موج ابھری۔

اسے خود بھی کوشش کرنی چاہئے تا کہ یہ الجھن ختم ہو سب اس کی وجہ سے کتنا پریشان ہیں۔اسے بہلاتے سمجھاتے ہیں۔

ایک دم سے سر کے درمیانی حصے میں ٹیس سی اٹھی۔اور وہ سر تھام کر رہ گئی۔

اب تو مستقل سر میں درد رہنے لگا ہے۔

ڈاکٹر سے کہوں گی سر درد کی دوا دیں۔میڈیسن لینے کو دل بالکل نہیں چاہتا۔مگر اب میں لے لیا کروں گی مجھے ٹھیک ہونا ہے۔اپنے لئے ان سب کیلئے خود کو سنبھالا۔

درد پورے سر میں پھیلتا جا رہا تھا۔تھک کر لیٹ گئی۔

جانے پورے سر میں پھیلتا جا رہا تھا۔تھک کر لیٹ گئی۔

جانے زندگی کس دوراہے پر کھڑی تھی۔

ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہونے لگا۔اور..........اور!..........

اوہ!!.......... دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے......

"اوہ!" لالہ رخ نے بڑی معنی خیز اور بامعنی نگاہوں سے نایاب کے کمرے سے نکلتے علی کو دیکھا۔

"بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔"

علی آگے بڑھتا چلا گیا۔

"گویا نئی کہانی شروع ہونے کو ہے۔ جہاں لڑکی خوبصورت' مظلوم' بے سہارا ہو تو وہاں سے نیکی کا جذبہ ہی نہیں سمندر بھی پھوٹ پڑتا ہے۔" لالہ رخ نے تلخی سے سوچا۔

"یہ لڑکی یہاں کب تک رہے گی۔"؟

بیڈروم کی فضا میں خاصی دیر سے خاموشی تھی جس کو لالہ رخ کی آواز نے توڑ دیا' اخبار پڑھتے عمر آفندی نے سیل فائر کرتی لالہ رخ پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر دوبارہ اخبار کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"تمہیں کیا کہنی ہے۔"

"خبر مجھے کوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی جوان لڑکے موجود ہیں گھر میں کل کو اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو پھر۔"

"لالہ رخ!" اس قدر گندی اور گری ہوئی بات پر عمر کھول اٹھے۔

"بولنے سے پہلے لفظوں کی جانچ پڑتال کر لیا کرو شریف خاندان ہے اس گھر کے لڑکوں کے بارے میں ایسا کیوں سوچا کیا ایسا ہی ننگ خاندان ہے ہمارا کہ مظلوم بے سہارا لڑکی کو اپنے گھر پناہ دے کر شب خون ماریں گے۔"

لمحہ بھر کو اندر ہی اندر وہ بھی ان کے غصے پر ڈر گئی' مگر ظاہر نہیں کیا۔

"ہاں لیکن ہماری حفاظت میں ہماری پناہ میں ہے ہماری ذمہ داری ہے وہ' اس کی تباہی کے ہم ذمہ دار ہیں۔" عمر نے حتی الوسیع اپنے اندر کے ابال کو نکلنے سے روکا۔

"آفندی ہیں ہم لوگ۔ ۔" یاد دہانی کرائی۔

"مگر' مگر کب تک۔"؟ استہزائیہ انداز تھا۔

"جب تک وہ دوبارہ اس قابل نہیں ہو جاتی کہ خود کو سنبھال سکے ماضی سے تعلق بحال

ہو جائے۔"

"اور اگر ایسا کبھی نہ ہوا تو۔" لالہ رخ نے انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کیا عمر نے بیک سے ٹیک لگا کر اسے دیکھا۔

"پھر وہ ہمیشہ اسی گھر میں رہے گی۔"

"یہ ہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں' کیوں وہ اس گھر میں رہے گی اس کا گھر موجود ہے پھر وہ کیوں یہاں رہے گی اس کا سسرال ہے وہ لوگ لے جانا بھی چاہتے ہیں پھر کیوں آپ لوگ نہیں جانے دینا چاہتے کیا مرضی رضا ہے آپ لوگوں کی۔"

اندر کے خدشات نے اسے مشتعل کر دیا محبت تو ہوتی ہی شکی وہمی وسوسے ڈالنے والی۔

"اس لیے وہ اس گھر میں رہے گی کہ اس گھر نے اسے قبول کیا ہے بی بی جان' بابا جان نے بیٹی بنایا ہے۔ اس کا کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہوا' اکبر داؤد ایک فراڈ ہے دھوکا ہے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے' کوئی شوہر نہیں ہے اس کا۔"

اور لالہ رخ ساکت ہو گئی اس انکشاف پر بیوی کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو جائے تو شوہر کی خاموشی چہ معنی دارد۔

"تم کسی فکر میں اپنے آپ کو پریشان مت کرو۔" عمر کا لہجہ بدل گیا۔

"آپ جو اس کی فکر میں ہلکان ہو رہے ہیں۔"

"میری مجبوری ہے کیوں کہ میں اس حادثے کا ذمہ دار ہوں۔"

"یہ ذمہ داری کیسی؟" مشتعل لہجہ محسوس کرتے کے باوجود وہ باز نہ آئی۔

"تو پھر لالہ رخ۔" عمر یک دم اٹھ کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"یہ بات یاد رکھنا میں اگر ذمہ دار ہوں تو ذمہ داری اٹھا بھی لوں گا تمہارے خدشات کو حقیقت کا روپ دے دوں گا۔"

مرد مشتعل ہو جائے تو پھر سارے ابال نکلتے چلے آتے ہیں کمرہ خالی ہو گیا تھا اور خزاں کے سارے زرد پتے دل کی دہلیز پر جمع ہونے لگے۔

نایاب نے خود کو بہلا لیا تھا بی بی جان اپنے ساتھ مصروف رکھتی تھیں اس کا باقاعدہ علاج ہو رہا تھا' مگر ابھی کوئی مثبت تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ علی کا خیال تھا کہ اسے اس کے گھر لے جایا جائے ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی بہتری کی صورت نکل سکے۔

''اس سے پہلے اسے اس کے والدین کی تصویریں دکھائی جائیں اکثر ان کا تقاضا کرتی ہے۔''

''ہاں تم لوگ اس کے گھر جا کر لے آنا۔'' بابا جان نے علی اور آصف کی جانب دیکھا۔

''لگتا ہے کہ ان کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو ابھی تک کسی نے رابطہ ہی نہیں کیا۔''

''ہاں میں نے ایک بار باتوں باتوں میں پوچھا تھا اس نے بتایا تھا کہ ان کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے مگر حلقہ احباب بہت وسیع ہے۔'' علی نے بتایا۔

''ہوں! میرا خیال ہے کہ اس کی دوسری بہن کی بھی کوئی بات چیت وغیرہ نہیں طے ہوئی ہوگی ورنہ اس کے سسرال والے ضرور متوجہ ہوتے۔''

''ہاں ہو سکتا ہے۔'' اس نے بی بی جان کی بات سے اتفاق کیا۔

علی خصوصاً سنجیدگی سے اس کے متعلق سوچنے لگا اسے بھی پورا یقین تھا کہ نکاح وغیرہ کا ڈراما بالکل فضول اور دھوکا ہے کاش اس کی بہتری کی کوئی صورت نکل آئے ورنہ پھر وہ امی سے بات کرے گا وہ اس کے لیے لڑکیاں دیکھنی بند کریں۔

آنکھوں میں حیرانیاں لیے وہ اسے بہت اچھی لگی تھی پہلا رو پہلا خواب' پہلی خواہش محبت بن کر علی کے دل میں جا گی تھی اور عمر آفندی سوچ رہے تھے کہ اسے شرعی بندھن میں باندھ لیں گے کہ مظلوم کہاں جائے گی۔

دونوں ہی اپنے اپنے خیالوں سے اس وقت چونک گئے جب بی بی جان نے کہا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کو اعتراض نہ ہوگا۔''

''کیسا فیصلہ بی بی جان'' سب نے یک بیک کہا۔

لالہ رخ ہمہ تن گوش ہو گئی اس کی محبت تباہی کے دہانے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ تم لوگوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔''

ان کے چہرے پر سنجیدگی اور پریشانی کی جھریاں گہری ہو گئی تھیں۔

ان سب باتوں سے بے نیاز نایاب فیروز احمد جو خود کو سنبھالنے سمیٹنے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ ذہنی طور پر اس حادثے کو قبول کر لیا تھا اس وقت مالی کے ساتھ پودوں کی کٹائی' چھٹائی میں مشغول تھی خزاں رسیدہ دھوپ کی کرنیں اس کے چہرے پر تھیں شوخی کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی تبھی بیل کی آواز پر وہ چونک کر گیٹ کی جانب دیکھنے لگی۔

علی نکل کر باہر آ گیا اور نایاب کو دیکھ کر چونک گیا۔

اس وقت ہلکے سبز کپڑوں بکھری زلفوں کے ساتھ مٹی سے بھرے ہاتھوں میں کھرپی لیے کھڑی نایاب سیدھی اس کے محبت بھرے دل میں اتر گئی۔

محبت یوں بھی ہوتی ہے
دل پہ دستک دیتی ہے
پھولوں کی مہکار بن کر

ایک بار پھر بیل بجی، علی چونک کر مسکراتی نگاہ ڈالتا گیٹ کی طرف بڑھا۔ چوکیدار جانے کہاں تھا وہ پل بھر کو نایاب کے قریب رکا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو''

''جی!'' اس کا وجود حیرت زدہ رہ گیا۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتا علی گیٹ کی جانب بڑھا اور باہر نکل گیا۔

سفید گاڑی سے اکبر داؤد ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ گھنے سیاہ بالوں والا خوبرو جوان تھا علی نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''السلام علیکم!''

''یہ میرا بیٹا ارسلان اکبر ہے میری بہو نایاب کا شوہر آج صبح ہی امریکا سے آیا ہے۔''

اکبر داؤد کے چہرے کی گہری مسکراہٹ نے علی کے چہرے کے ہلکے پھلکے رومان پرور تاثرات و خیالات کو بھک سے اڑا دیا۔ بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ بڑی عجیب سی صورت حال تھی۔

''اب بے یقینی فضول ہے یہ دراصل حقیقت ہے بہت کر لی آپ لوگوں نے اپنی من مانی۔'' اکبر داؤد دو قدم آگے آیا علی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تو نایاب کے ہوش میں آنے پر ہوگا آپ کیوں بھول جاتے ہیں۔'' علی نے مسکرا کر اندر آنے کا راستہ دیا۔

''آپ لوگوں کے زیر علاج وہ کبھی ہوش میں نہیں آ سکتی اب اس بارے میں بھی ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

علی کے پیچھے وہ لوگ آفندی ہاؤس میں داخل ہو گئے۔

لان میں نایاب نہیں تھی وہ اندر جا چکی تھی اس نے دل ہی دل میں شکر کیا۔

''آج تو ہم لوگ اپنی بہو سے مل سکتے ہیں۔'' اکبر داؤد نے اسے دیکھا۔

''وہ شاید باہر گئی ہوئی ہے امی وغیرہ کے ساتھ۔'' علی نے سرعت سے جواب دیا۔

''کیا کرتے ہیں آپ امریکا میں۔'' علی ارسلان کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں کمپیوٹر میں ماسٹر کر رہا ہوں۔'' اس نے گری سنجیدگی سے جواب دیا اس سے پہلے کہ کوئی خاتون اندر سے باہر آ جائیں علی اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''میں پ ے وغیرہ کا کہہ دوں۔'' بی بی جان کے کرے میں سب جمع تھے۔ سوائے

لالہ رخ کے۔

''بی بی جان اکبر داؤد اپنی فیملی کے ساتھ آیا ہے اس کے ساتھ بیٹا بھی ہے میں نے کہہ دیا ہے کہ نایاب امی کے ساتھ گئی ہے پلیز آپ لوگ باہر نہیں آیئے گا۔ اپنی بات سمجھا کر وہ باہر نکل گیا۔

اور نایاب حیران کھڑی رہ گئی علی نے جھوٹ کیوں بولا۔

''سب تو اندر ہیں یہ اکبر داؤد کیوں آیا ہے اسپتال میں بھی وہ عجیب و غریب باتیں کر رکھا تھا'' یہ کیا چکر ہے۔'' سوچتے سوچتے وہ کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

بی بی جان اس کے چہرے کی الجھن صاف پڑھ رہی تھیں مگر مجبور تھیں تبھی سب چونک گئے باہر زور زور سے اکبر داؤد کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ علی یقیناً اس سے الجھ پڑا تھا اور یہ ہی لمحہ فکریہ تھا۔

نایاب نے بے چینی سے اپنے ہاتھوں کو مسلنا شروع کر دیا تھا پلوشہ اور ارجمند بانو ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھوڑی دیر بعد باہر امن ہو گیا وہ لوگ شاید چلے گئے تھے نایاب چند لمحوں بعد اپنے روم میں چلی گئی۔ کمرے میں کافی دیر تک سناٹا رہا اس سناٹے کو علی نے آ کر توڑ دیا تھا۔

''یہ اکبر داؤد ایک نمبر کا فریبی مکار ہے۔''

''ہاں اس کا مجھے سو فیصد یقین ہے بیٹا مگر بتاؤ اس مسئلے کا حل کیا ہے نایاب ابھی ہوش میں نہیں ہے جس سے تصدیق کی جا سکے۔''

''بی بی جان رحال میں اسے ماضی کی جانب لوٹنا ہوگا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔''

ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے بالوں میں الجھا لیں۔

''ہاں لیکن کسی بھی قسم کی پیش قدمی کے لیے ہمیں آہستہ آہستہ قدم اٹھانا ہوگا۔ جلد

بازی نقصان دہ ہوگی۔''

''میرے خیال میں بی بی جان‘ ہمیں نایاب کو تمام حقیقت بتا دینی چاہیے وہ بھی خود کو اجنبی سمجھتی ہے اور ہوسکتا ہے۔ اس کی خود فراموشی کا رابطہ بحال ہو جائے وہ خود کو یہاں مس فٹ سمجھتی ہے۔'' ارجمند بانو نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''ہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا لیکن پہلے‘ ہمیں ڈاکٹرز سے مشورہ کرنا ہوگا پھر کوئی قدم اٹھائیں گے۔''

''میرے خیال میں دادی جان وہ بھول کے رستے پر زیادہ دور نہیں نکلی ہماری ذرا سی کوشش اور توجہ اسے حال میں لے آئے گی۔''

بلوشہ نے اپنی اور نایاب کی دوستی کے حوالے سے حصہ لیا۔

''سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن یہ بھی دیکھنا ہے واپسی کا سفر اس کی زندگی کو دشوار نہ بنا دے۔'' ناصحانہ انداز تھا۔

''دشوار ہو یا سہل یہ کام تو ہونا ہی ہے۔ پھر ہم ہی نے اسے سنبھالنا ہوگا۔ وہ ہماری غلطیوں کا کفارہ کیوں ادا کرے اس گھر میں اسے نام بھی ملے گا اور رتبہ و مرتبہ بھی اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ تم!۔۔۔''

بی بی جان کی بات درمیان میں ہی رہ گئی عمر آفندی دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

''آؤ بیٹا!''

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام''

''علی کیا اکبر داؤد آیا تھا۔'' ان کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

جی بھائی جان اور اپنے ساتھ نکاح کی تصویریں لایا تھا میں نے اسے چلتا کر دیا کہ فی الحال ہم لوگ کسی قسم کی نئی ٹینشن برداشت نہیں کر سکتے۔ حسب معمول دھمکیاں دے کر چلا

گیا ہے'' علی اندر تک تلخی سے بھر گیا۔

''تم ذرا ارسلان سے دیکھ لیتے تصویریں۔''

''کیا فائدہ ایسی تصویریں دیکھنے کا جن کے سراسر جعلی ہونے کا شبہ ہو۔''

''ہوں!'' عمر آفندی کاؤچ پر بیٹھ گئے۔

''اور کہہ کر گیا ہے اگلی بار وہ خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔''

''اک بار اسے میرے سامنے لے آؤ دودھ کا دودھ اور پانی پانی الگ کر دوں گی۔'' بی بی جان سخت لہجے میں بولیں۔

''دادی جان اگر اسے بات کرنی آتی تو ضرور کرواتے مگر اسے تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔''

''بھائی اب کیا ہوگا اگر آپ نے زبردستی کی۔'' بلوشہ نے بے چینی سے کہا نایاب کے حوالے سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے وہ آنکھوں میں دھول جھونک کر چلا جائے۔'' سب نے تسلی دی مگر تسلیاں‘ تشفیاں کبھی بھی حقیقت نہیں بن سکتیں ان کے لیے عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ایک قدم اٹھانے میں خوف مانع تھا۔ کبھی کبھی ایک قدم اٹھا ہوا ڈھیروں خوشیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے اور کبھی بے حد دکھوں کے ساحل پر گرا دیتا ہے لہٰذا یہ قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔

بہت سارے دن سوگوار گزر گئے سب اپنی اپنی سوچ کی دنیا کے مسافر تھے کہ کس طرح سے ایک زندگی کو مشکل سے بچایا جائے۔ کبھی کبھی ہم سوچتے ہی رہ جات ہیں اور کوئی دوسرا شب خون مار جاتا ہے۔

نایاب اپنی سوچوں میں غلطاں تھی جس دن سے اسے اکبر داؤد کی آمد کی بابت علم ہوا تھا اس دن سے وہ اپنے حوالے سے ان سب کے چہروں پر فکر و پریشانی کے آثار دیکھ رہی تھی

مگر کسی سے پوچھنے کی ہمت نہ تھی اول روز کی جھجک ہنوز برقرار تھی۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کبھی یہاں رہی ہے۔

اجنبیت اور اپنائیت دونوں سائے آنکھ کی پتلیاں بن کر رہ گئے تھے ہر دم ساتھ رہنے والی پلوشہ سے تو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ تھی اور نہ ہی اتنی سکت کہ ان کی پرخلوص محبتوں پر شبہ کر سکے لیکن' لیکن پھر بھی کچھ تھا کہیں تھا جو اس کی چھٹی حس خبردار کر رہی تھی۔ اور اس کی سمجھ حیرت کی منازل طے کر رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ آنکھیں موندے غزل کے سروں میں گم تھی۔ جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے پلوشہ لگا کر گئی تھی کیسی حسب حال تھی۔

سب کچھ تو مل گیا ہے تجھے چاہنے کے بعد
اب کیا خدا سے مانگو تجھے مانگنے کے بعد
چاہت بھی مل گئی ہے محبت بھی مل گئی ہے
نظروں کو میرے پیار کی جنت بھی مل گئی ہے
اب اور کیا دیکھوں تجھے دیکھنے کے بعد
اک آرزو تھی وہ پوری ہو گئی ہے
اک زندگی تھی تیری باہوں میں کھو گئی ہے
سب کچھ تو مل گیا ہے تجھے چاہنے کے بعد
ایک کیا خدا سے مانگوں تجھے مانگنے کے بعد

باہر تیزی سے گزرتی لالہ رخ ٹھٹھک گئی دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ آنکھیں موندے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی حسد و جلن کی آگ نے لالہ رخ کو جھلسا دیا تھا۔ معصوم حسن کتنا خطرناک ہوتا ہے کس طرح سے یہ لڑکی مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اس کی خوشیوں پر شب خون مار رہی تھی۔ نہیں وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔ لالہ رخ آگے بڑھ کر اس کے

سامنے کھڑی ہو گئی۔

سورج ہوا نصیب مجھے جاگنے کے بعد
اب کیا خدا سے مانگوں تجھے مانگنے کے بعد

اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا' ٹک کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''آپ!'' نایاب لالہ رخ کو سامنے دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ہاں میں' کیا تمہارے سکون میں خلل ڈال دیا۔'' سینے پر ہاتھ باندھے شانے پر پڑا سرمئی آنچل زمین کی حد کو چھونا چاہتا تھا۔

''نہیں تو۔۔۔بیٹھیں۔''

''نہیں صرف تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو؟''

''میں سمجھی نہیں؟''

''تم سمجھی نہیں ہو یا سمجھنا نہیں چاہتیں' مگر اتنا یاد رکھو نہ تم عمر کو مجھ سے چھین سکتی ہو اور نہ ہی علی کبھی تمہارا بن سکتا ہے۔'' وہ غزالہ کا ہے اس کی محبت اپنی مظلومیت کو سہارا دینے کے لیے تمہیں کوئی اور گھر ڈھونڈنا ہوگا۔'' نایاب کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔

''یہ شریفوں کا گھر ہے عمر میری محبت ہے اب یہ جھوٹا ڈرامہ بند کرو اور اپنی کھوئی ہوئی یادداشت واپس لے آؤ۔''

نایاب غائب دماغی سے اسے دیکھ رہی تھی' دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ لفظوں کا دائرہ پھیلتا جا رہا تھا۔

''حقیقت سے آنکھیں مت چراؤ اگر تمہیں اپنا شوہر پسند نہیں ہے تو خطرے کے خوف سے آنکھیں بند مت کرو بتاؤ' تم خلع کا دعویٰ کر سکتی ہو خود فراموشی اختیار کرنا تمہارے مسئلے کا حل نہیں ہے۔''

''بس کریں۔۔بس کریں۔۔۔'' نایاب کے اعصاب چیخ گئے۔

''کیا کہنا چاہتی ہیں آپ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔''

''وہی جو تم سمجھنا نہیں چاہتیں اپنے حسن اور مظلومیت کا فریب دے کر میرا گھر برباد مت کرو چلی جاؤ اپنے گھر تمہارا شوہر اتنا برا نہیں ہے۔''

''میرا۔۔شوہر میرا گھر یہ سب۔۔۔۔۔'' اس کی سماعتیں چٹانوں کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھیں زبان گویا گنگ ہوگئی۔

''ہوش میں آؤ تو تمہیں یہ سب بھی معلوم ہو میں نے جو کہنا تھا تمہیں کہہ دیا اب تمہیں سمجھا بھی دوں گی۔'' کمرہ خالی ہو چکا تھا مگر اس کا وجود اور وہ بکھر کر رہ گئی۔

''وہ زیست کے کس دوراہے پر کھڑی ہے اس کی اصل کیا ہے۔سچائی کیا ہے۔ حقیقت کیا ہے۔''

''یہ یہ عورت لالہ رخ بھابھی' اتنے اچھے عمر بھائی کی بیگم ایسی۔''

''میں بھلا کسی کا گھر کیوں برباد کروں پھر وہ بھی عمر بھائی سے اتنی گھٹیا سوچ' انہیں یہ خیال آیا بھی کیسے۔

علی کے بارے میں بھی ایسی سوچ'' ایک دم سے وہ چونک کر ارد گرد دیکھنے لگی' میرا گھر میرا شوہر میری طبیعت میرا ماضی'' اس نے گرتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔''

''یا اللہ یا اللہ!''

ساری رات اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے برستے رہے کہیں کچھ تھا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''مگر اسے یاد کیوں نہیں! کیوں نہیں۔''

صبح وہ بی بی جان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔

''آؤ۔۔۔آؤ'' ایک نگاہ اس پر ڈال کر پھر قرآن پاک پڑھنے لگیں مگر دوسرے لمحے چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئیں اس کی سوجی سوجی سرخ آنکھوں نے چونکا دیا جن میں واضح شب بیداری کا عکس تھا۔

''نایاب کیا ہوا بیٹا' اس کا اترا ہوا چہرہ انہیں تڑپا گیا۔

''بی بی جان'' وہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دوزانوں بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے نایاب۔'' انہوں نے اس کی یخ ہاتھوں کو تھام لیا۔

''میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟''

''نایاب!'' انہوں نے بے اختیار اس کے زرد چہرے کو سینے سے لگا لیا۔

''تم۔۔۔تم میری جان میری بیٹی ہو' میرے بیٹے کی نشانی۔''

''لے پالک بھی بیٹا ہوتا ہے بی بی جان اور کوکھ سے جنم لینے والا بھی' میرے ابو کا آپ سے کیا رشتہ تھا۔'' اس نے دھیرے سے ان کی آغوش سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''بیٹا تو بیٹا ہوتا ہے نایاب وہ۔۔۔۔''

''نہیں بی بی جان یہ دنیا ہے جو رشتوں کی حقیقت مانگتی ہے۔''

''سوال کرنے والے کو میرے سامنے لے آؤ میں خود جواب دوں گی۔'' انہوں نے اس کے بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔

''اور میرا اطمینان۔'' اس کے چہرے پر کچھ تھا جس نے انہیں پریشان کر دیا۔

''ابھی تو ناشتا کرتے ہیں اس موضوع پر پھر کسی وقت بات کریں گے۔'' بی بی جان نے اس کا دھیان بٹایا۔

''بی بی جان۔'' اس نے کچھ اس انداز سے ان کی جانب دیکھا کہ ان کا دل کٹ کر رہ گیا مگر جلد بازی میں وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

''میں نے کہا نا نایاب۔'' بی بی جان نے تسلی والے انداز میں ہاتھ تھاما اس نے سر

جھکا لیا۔

کچھ دیر بعد وہ ان کے ساتھ ناشتا کر رہی تھی مگر اس کے چہرے پر لامتناہی سوچوں کا جال تھا۔

''کیا بات ہے نایاب تم آج صحیح طرح ناشتا نہیں کر رہی ہیں۔'' پلوشہ نے متوجہ کیا۔

''کر تو رہی ہوں۔'' وہ بمشکل مسکرائی۔

علی نے مسلسل اسے اپنی نظروں کے حصار میں رکھا ہوا تھا۔ عمر جلدی جلدی ناشتا کر کے چلے گئے تھے لالہ رخ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی ارجمند بانو گاہے بگاہے اس کے آگے چیزیں رکھ رہی تھیں۔ مگر وہ اس توجہ کا کیا کرتی جو اس کے پاس نہیں رہی تھی۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے'' ناشتے کے بعد پلوشہ اپنے کمرے میں لے گئی۔

''کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر چہرے پر یہ پریشانی کیوں ہے۔''

''نہیں تو۔'' وہ اس واضح سوال کو چھپا بھی نہیں سکتی تھی۔

''کوئی بات تو ہے نایاب''

''اگر ہے بھی تو تم لوگوں کے پاس اس کا جواب نہیں ہے'' نایاب نے سر جھکا لیا اس کی بات پر نا صرف پلوشہ بلکہ اندر آتا علی بھی چونک گیا۔

''ایسی کیا بات ہو سکتی ہے جس کا جواب ہمارے پاس نہ ہو۔'' پلوشہ نے خود کو سنبھالا۔

''اگر جواب ہے تو پھر مجھے بتاؤ پلوشہ میری حقیقت کیا ہے؟ میں کون ہوں۔ میرا گھر کہاں ہے۔'' اس کے اعصاب چیخ گئے تھے۔

'' نایاب!'' اس کی چیخ گھٹ کر رہ گئی کس نے اسے یہ سب بتایا ہے کون اس کا ایسا ہمدرد پیدا ہو گیا ہے۔

''تم! تم اس گھر کی بیٹی ہم سب کی کزن ہو۔''

''جھوٹ بالکل جھوٹ' میرا تم لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

''یہ تمہیں کس نے کہا۔''

''لالہ رخ بھابھی نے۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور علی آفندی گویا شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔

اس معصوم لڑکی کو ان حالوں تک تو پہنچا دیا اب کیا چاہتی ہیں۔

''جھوٹ کہتی ہیں وہ۔''

''کوئی ایسا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے۔''

''پھر تم بی بی جان سے پوچھنا۔'' اس کے یقین کے آگے بولنا فضول تھا علی الٹے قدموں پلٹ گیا۔

ایک بار پھر وہ تنہا بیٹھی رہ گئی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا اعصاب بکھر کر رہ گئے ہوں اسے کیوں یقین نہیں آتا ان تمام لوگوں کی باتوں پر' اس نے بکھرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

☆☆☆

''آپ' آپ کو شرم آنی چاہیے بھابھی۔''

علی آفندی صبر وضبط سے لالہ رخ کے روبرو کھڑا تھا۔ کیوٹیکس لگاتی لالہ رخ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں! کیا ہوا۔'' کمال درجہ کی معصومیت تھی ''اور یہ تم کن لفظوں میں بات کر رہے ہو شرم کس بات کی شرم۔''

''اس سلوک کی جو آپ نے نایاب کے ساتھ کیا ہے۔''

''اوہ! اس سے ایک رات کا صبر نہیں ہوا۔''

انہوں نے طنزیہ لہجے میں اسے دیکھا۔

''کیا چاہتی ہیں آپ کیوں اس طرح کی حرکت کی' جانتی ہیں آپ وہ کتنی ہرٹ ہوئی ہے۔''

''تو دکھ کس بات کا ہے تمہیں میرے سچ بولنے پر یا اس کے ہرٹ ہونے پر۔'' تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے کیوٹیکس بند کر کے اسے دیکھا۔

''حقیقت سے کیوں اور کب تک چشم پوشی کرو گے' کب تک وہ اندھیروں میں بھٹکتی رہے گی کب تک تم لوگ سہارا بنو گے اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر اپنے دکھ سہنے دو۔''

''اپنے دکھ اس نے خود ہی سہنے ہیں مگر وقت آنے پر۔'' علی نے دانت بھینچ لیے۔

''ابھی وہ بیمار ہے۔''

''اس کی صحت مندی کو بیماری سے تشبیہ مت دو اسے اس کی اصل حقیقت بتا دو تم لوگ اپنی زندگیاں کیوں خراب کر رہے ہو جانتے ہو غزالہ۔''

''مائی فٹ غزالہ۔'' علی نے سارا غصہ اس غزالہ پر نکال دیا۔

''اوہ! تو یہ بات ہے۔'' لالہ رخ نے معنی خیزی سے دیکھا۔

''بات یہ ہو یا وہ مگر آپ کان کھول کر سن لیں آئندہ اگر کوئی انسلٹ اس کے کانوں میں انڈیلا تو پھر مت بولیے گا کہ میں۔'' علی نے جملہ مکمل نہیں کیا۔

''تم۔ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ تم'' لالہ رخ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''نہیں یقین دلا رہا ہوں کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' شعلہ بار نگاہوں سے بھابھی کو گھورا مگر اس پر مطلق اثر نہ تھا۔ علی جھٹکے سے باہر نکل گیا۔

''دیکھ لوں گی تمہیں بھی اور اسے بھی'' لالہ رخ نے حقارت سے سر جھٹکا۔

مگر سوچوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو پھر اسے کوئی نہ جھٹک سکا۔ نایاب گم سم ہو کر رہ گی۔ اور کسی سے بھی اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

''کچھ کریں' کچھ کریں بھائی ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہو جائے۔'' انجانے حادثے

کے پیش نظر پلوشہ نے فکر مندی سے کہا۔

''کیا کروں پلوشہ میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا' کرنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن' لیکن ---'' علی نے الجھے الجھے لہجے میں کہتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

''بھابھی نے یہ اچھا نہیں کیا کچھ تو انتظار کیا ہوتا انہیں جانے کس بات کا خوف ہے۔''

''تم نہیں جانتیں انہیں کس بات کا خوف ہے ایک شکی مزاج عورت سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے محبت کی زمین پر اگر شک وہم جنم لے لیں تو وہ زمین بنجر ہو جایا کرتی ہے میں سوچتا ہوں عمر بھائی کو یہ سب معلوم ہوا تو ان کا کیا ردعمل ہوگا۔'' پریشانی اس کی سوچ و لہجے میں بھی عیاں تھی۔

''ہوگا کیا وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے عمر بھائی بہت --- بہت''

''ہمیں کچھ کرنا چاہیے علی بھائی ایسا نہ ہو کہ ہم لوگ مزید مقروض ہو جائیں۔''

''ایسی صورت حال میں ہم کچھ نہیں کر سکتے پلوشہ ایک طرح سے وہ بیمار ہے ماضی سے ناتا ٹوٹ چکا ہے اوپر سے اکبر داؤد کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔ ہر ممکن طور پر وہ نایاب کو لے جانا چاہتا ہے۔ کل کہہ رہا تھا کہ اگر آپ لوگ اسے اتنا ہی عزیز رکھتے ہیں تو رخصتی کر دیں اس کی۔''

''ایسے کس طرح سے رخصتی کر دیں میرا تو دل نہیں مانتا کہ اس کا کوئی نکاح ہوا ہوگا۔''

''لیکن کوئی اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے۔''

''نایاب کو دیکھ کر لگتا ہے اس کے والدین بھی بہت سمجھدار باشعور ہوں گے کس طرح سے وہ اپنی بیٹی ایک ایسے شخص کو دے سکتے ہیں جو کہ مکمل طور پر فراڈ یہ لگتا ہو۔''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن بات وہی ہے سچ جب ہی سامنے آئے گا جب نایاب ہوش میں آئے گی۔''

''وہ کب ہوش میں آئے گی۔'' بے قراری ظاہر تھی۔

''آئے گی ضرور آئے گی ڈاکٹر رعنا اور ڈاکٹر شہزاد کو یقین کامل ہے لیکن تھوڑا سا وقت

تو لگے گا۔"

"اور میں چاہتا ہوں کہ وہ ہوش میں نہ آئے ہم لوگ کس طرح اس کا سامنا کریں
گے۔عمر آفندی نے بہن بھائی کی گفتگو کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

"اس کے کس کس سوال کا جواب دیں گے۔"

"مگر بھائی' وہ اکبر داؤد۔"

"اس کا حل بھی نکل جائے گا' اس گھر نے اسے مکمل تحفظ دیا ہے تو آئندہ بھی اسے
تحفظ دیں گے۔"

عمر آفندی کے لہجے میں کچھ تھا جس نے دونوں بھائی بہن کو چونکا دیا۔

"پلوشہ' آج کل نایاب کچھ چپ چپ سی ہے تم نے وجہ پوچھی۔" اچانک انہوں نے
پلوشہ سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔وہ بھائی۔۔۔۔" پلوشہ ہکلا کر رہ گئی۔

"میرا خیال ہے بھائی اس کو اکبر داؤد سے ملوا دیا جائے ہوسکتا ہے کہ اس کی یادداشت
واپس آجائے یا کچھ یاد آجائے اور ہمیں کچھ شواہد مل جائیں آخر ہم کب تک۔" علی آفندی
نے موضوع تبدیل کیا عمر آفندی ہونٹ کاٹتے ہوئے عمیق سوچ میں غلطاں تھے۔

"میرا خیال ہے بھائی کے انہیں ان کے گھر لے جایا جائے ہوسکتا ہے کہ انہیں اس
سے بھی فائدہ ہو۔"

"ہوں۔" انہیں دونوں مشورے اچھے لگے تھے۔

"اس سے پہلے ہمیں بی بی جان سے بھی بات کرنی چاہیے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے
کچھ اور سوچا ہو۔" یہ عمر آفندی کا خیال تھا۔

بی بی جان کے ذکر پر دونوں بہن بھائی ایک بار پھر چونک گئی۔ ہاں بی بی جان سے کسی
بھی اچھے فیصلے کی امید کی جاسکتی تھی عمر آفندی نے دونوں پر ایک نگاہ ڈالی اور باہر نکل گئے۔

علی آفندی نے ایک نگاہ پلوشہ کو دیکھا اور ایک دم باہر نکل گیا پلوشہ ایک گہرا سانس
لے کر رہ گئی۔تینوں بھائیوں کی ایک اکلوتی بہن تھی عمر آفندی سے کچھ جھجھک تھی۔ان
کی عمر کا خیال تھا۔علی سے دوستی تھی۔آصف سے دوستی اور دشمنی دونوں کا رشتہ تھا۔
آدھا دن لڑائی اور آدھا دن دوستی رہتی تھی عمر آفندی کے دل کا راز اسی توجہ سے
پالیا تھا اور علی آفندی نے دوستی میں اپنی پسند بتادی پلوشہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اب
کیا ہوگا عمر بھائی تو اس نیچر کے تھے کہ ان سے کسی بھی سلوک کی توقع کی جاسکتی ہے۔کم
علی بھی نہیں تھا وہ درمیان سے ہٹ بھی سکتا تھا لیکن' لیکن درمیان میں تھا ہی کون عمر آفندی
شادی شدہ انسان تھے ان سے حادثہ سرزد ہوا تھا تمام تر توجہ سے وہ انصاف کرنا چاہتے
تھے' مگر لالہ رخ سے ان کا ناتا تھا جو ہمیشہ رہتا۔
ان کی نایاب کی جانب مکمل توجہ تھی آتے جاتے اس کی خیریت دریافت کرتے اکبر
داؤد سے ہر صورت اس کا تعلق ختم کرنا چاہتے تھے۔اس کے لیے انہوں نے اپنی کوششیں تیز
تر کر دی تھیں۔ان کے انداز بتاتے تھے کہ کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکتی تھی ہر حال میں
انہیں نایاب سے شادی کرنی تھی۔
اب لالہ رخ کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہ تھی۔بس وہ نتائج کے منتظر تھے پہلے شادی
ان کی ضد تھی، اور اب۔
یا اللہ اب کیا ہوگا۔" باریک بینی سے سوچ کر پلوشہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا پھر ان
کے پاس تو ایک وجہ بھی کہ وہ بے اولاد بھی تھے۔

☆☆☆

"یہ زندگی ہے نایاب اور زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں۔ہمیں ان کا
بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیے۔آنکھیں بند کر لینا کمزوری ہے۔"
بی بی جان دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔خطرات سے

گھبرانا نہیں چاہیے زندگی تو تمام ہی انہی حادثات اور خوشیوں کا ہے۔

نایاب ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی مسلسل سوچوں نے اسے تھکا دیا تھا سر میں درد رہنے لگا تھا مگر اس گتھی کا کوئی سرا نہیں مل رہا تھا کوئی اتنی بڑی بات کس طرح سے کہہ سکتا ہے اس کی شادی ہو چکی ہے؟ مگر کس سے وہ کس کی بیوی ہے یہ اسے علم ہی نہیں' عمر بھائی تو اس کے بھائیوں جیسے تھے بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر اس کی حالت خراب ہونے لگی۔

''علی سے میرا تعلق ۔۔۔۔ میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں اور پھر بھلا وہ ایسا کیوں سوچے گی جس شوہر کو میں نے دیکھا ہی نہیں اس سے ترک تعلق کا کیا سوال اس کی یادداشت کا ان سب باتوں سے کیا تعلق وہ تو بالکل ٹھیک تھی' اب تو ڈاکٹر بھی چیک اپ کے لیے نہیں آتے اس کے تو تمام زخم بھر چکے تھے پھر۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔''

''جی بی بی جان۔'' وہ ہنوز اس کیفیت کا شکار تھی۔ ''کیا سوچ رہی ہو بیٹا۔''

''کچھ نہیں بی بی جان!'' وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔

''سن رہی ہو میں نے کیا کہا ہے؟''

''بی بی جان میں نے بھی تو کچھ پوچھا ہے۔ بتائیں گی نہیں۔'' اس کی سرخ آنکھوں نے انہیں شرمندہ کر دیا۔

''نایاب وہ سب جھوٹ ہے مبالغہ آرائی ہے۔''

''بی بی جان یہ سب سچ بھی تو ہو سکتا ہے کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس قدر۔''

''تم نہیں جانتیں بیٹا یہاں اس قسم کی باتوں کی طرف ہی توجہ ہوتی ہے تم اس جانب توجہ مت دو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔''

''بس بی بی جان مجھ بتا دیں میں کون ہوں کیا ہوں آخر۔''

اس کے لہجے میں عاجزی تھی انہوں نے نایاب کا سر سینے لگا لیا۔

''بیٹا بات صرف اتنی سی ہے تمہارا نکاح تمہارے والدین نے بچپن میں کر دیا تھا مگر

ہم لوگوں کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اب وہ لوگ تمہیں لے جانا چاہتے ہیں اور ہمارا بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس کا دماغ گویا سن ہو گیا وہ گویا سن رہی تھی۔

''جب نکاح ہو گیا تو بھیجنے پر کیا اعتراض ہے۔'' اس کے چہرے پر پچھلی یاد کا کوئی لمحہ نہیں تھا۔

''اس لیے اس لیے بیٹا کہ وہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔'' بی بی جان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''وہ لوگ' وہ لوگ اچھے نہیں ہیں تو پھر نکاح کیوں ہوا۔''

''یہ یہ ہی تو اختلاف تھا ہم ماں بیٹے کے درمیان۔''

''لیکن بی بی جان۔'' وہ بہت گہری نیند سے جاگی ہو۔

''مجھے تو کچھ یاد نہیں آتا کہ ایسا بھی کچھ ہوا ہے میرے ساتھ بہت زور دیا ہے میں نے دماغ پر۔''

''نہیں' نہیں نایاب نہیں۔ اپنے ذہن پر زور مت دو۔'' انہوں نے دھیرے سے اپنے پرشفیق سینے پر چھپا لیا۔

''ہم لوگ ہیں نا سوچنے کے لیے' بیٹے بہو کو تو کھو دیا اب تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' ان کے آنسو اس کے گھنیرے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

ارجمند بانو نے اپنے آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی لیا۔

☆☆☆

''پلوشہ۔'' نایاب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہوں! گھاس کا تنکا توڑ کر اسے دیکھا آج کل وہ مسلسل اس کے ساتھ تھی۔

''ہوں بولو نا۔''

'کیا تم میرے نکاح میں شریک تھیں۔''

''ہیں!'' وہ ایک دم چونکی اور پھر جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔

''مجھے تو یاد نہیں کہ میں شریک تھی یا نہیں۔''

''پتا نہیں یہ کب کی بات ہے جبکہ مجھے بھی کچھ معلوم نہیں ہے اور نہ یاد آتا ہے۔''

''گویا بی بی جان نے تمہیں بتا دیا ہے۔

''ہاں میں نے زور دے کر پوچھا تھا' تو انہیں بتانا پڑا۔''

''تمہیں اس لیے نہیں بتانا چاہتی تھیں کہ تمہاری طبیعت خراب تھی' تمہارے دماغ پر چوٹ لگی تھی اس لیے۔''

''پلوشہ!'' اس نے ایک دم سے چونک کر اس کی بات کاٹی۔

''کہیں میری یادداشت تو نہیں چلی گئی۔''

کیا!!!۔ بھونچکی رہ گئی اس سوال پر۔

''کیا ایک دم سے اتنی بڑی بات پر پلوشہ کی سمجھ نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

''نایاب۔'' مت کرو ایسی باتیں' کیوں سوچتی ہو اتنا ہم لوگ ہیں نا تمہارے ساتھ' کیا تمہیں ایسے ہی چھوڑ دیں گے' اس نے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

''پلوشہ' مجھے کیوں یاد نہیں آتا کہ میرے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے کیوں مجھے امی' ابو کا چہرہ یاد نہیں رہا' ہر چیز سے یہ احساس جھلکتا ہے کہ میں اجنبی ہوں بتاؤ نا میری یادداشت گم ہوگئی ہے کیا' بولو نا۔'' اس کی گود میں سر رکھ کر سسک سسک کر رو دی۔

''نہیں' نہیں نایاب ایسا کچھ نہیں ہے' پلیز خدا کے واسطے مت رو' تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

مگر آج تو لگ رہا تھا کہ جل تھل ہو جائے گی ہر چیز۔

''اوہ یہ کس بات کا ماتم ہو رہا ہے کسی کے مرنے کی خبر آئی ہے یا بچھڑنے کا دکھ۔''

دونوں نے جھٹکے سے سر اٹھایا' طنزیہ نظروں سے دیکھتی سامنے لالہ رخ کھڑی تھی۔

''بھابھی پلیز۔'' پلوشہ نے ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔'' یہ برداشت نہیں ہو رہا یا پھر حوصلہ نہیں ہے۔'' لالہ نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ نایاب کے آنسو رخساروں پر تھم گئے۔

''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا آنسو ہر مشکل کا حل نہیں ہوتے اب تمہیں اپنا اچھا برا خود سوچنا ہے کب تک یہ لوگ تمہیں۔۔۔۔''

''بھابھی!'' لالہ رخ کے سفاک لہجے میں پر پلوشہ چیخ اٹھی۔

''تم چپ رہو تمہارا اس معاملے میں کوئی تعلق نہیں ہے اور نا ہی میں اس بات کی اجازت دوں گی کہ میرے معاملے میں کوئی بولے۔''

''پلیز بھابھی' فار گاڈ سیک اس کے اعصاب ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ۔''

''تم لوگ مزید پردہ پوشی کر کے اسے بالکل کمزور کر دو حد ہوتی ہے ہر بات کی اب مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں ساری حدیں پار کر کے اپنے حق کے لیے لڑوں گی۔''

اس کا لہجہ مزید سفاک اور گرم ہو گیا اور کچھ بولنا شعلوں کو ہوا دینا تھا۔ نایاب ہر بات بھول کر بس ساکت دیکھے جا رہی تھی۔

کس قدر سفاک لہجہ تھا۔ کس قدر تلخ انداز۔

عمر میرا شوہر ہے......اور شوہر کیلئے ہر بیوی کو لڑنے کا حق ہے اور میں اپنا حق کسی کو استعمال کرنے نہیں دونگی۔

بھابھی......پلوشہ نے اٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

جائیں آپ۔ بھائی بلا رہے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے نہ ہوگا آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں......

چپ کرو تم!......اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

سب جانتی ہوں میں تم بہن بھائیوں کی سازش اوپر سے کچھ اندر سے کچھ۔

ہمدردی کے سارے مہرے استعمال کر لینا چاہتے۔

اسی کی یادداشت ابھی اتنی گم نہیں ہوئی۔ اسے اتنا احساس ہے کہ کس کی زندگی پر شب خون مارنا ہے۔ باقی ہر چیز یاد ہے۔

نایا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سر اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔

بھابھی..... مت کریں ایسی باتیں.....

''کیوں نا کروں میری زندگی میرا گھر داؤ پر لگ گیا ہے۔ تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔ کس طرح اس معاملے کو ہینڈل کرتیں۔ اس پورے نظام کو تہس نہس کر دیتیں۔ یا صبر سے انتظار کرتیں اچھے دنوں کا.....

ان کا غمگین انداز پلوشہ کا دل دھڑکا دیا۔

جانے کیسے دھڑ کے واہمے ان کے دل میں سما گئے تھے روز ہر روز ان کا انداز تلخ اور لہجہ کسیلا ہوتا جا رہا تھا۔ جب کے عمر بھائی جتنے شائستہ مزاج کے تھے اتنے ہی ان کی قسمت میں گرم مزاج لوگ آئے تھے۔

میں اس لڑکی کو گھر سے نکلوا کر رہوں گی۔ جل جل کر کانٹوں پر چلتے ہوئے زندگی نہیں گزار دوں گی..... مر جاؤں گی یا مار دونگی۔ اس ڈائن، چڑیل کو۔

.....کیسی جلن، حسد کی لہریں تھیں جنہوں نے انہیں خاکستر کر ڈالا تھا۔ انہیں اس بات کا احساس بھی نا تھا کہ اس گھر میں ان کا کیا مقام ہے۔ اس سوچ پر وہ پہنچ ہی نہیں سکتیں تھیں کہ کوئی ان کا مقام لے سکتا ہے کیا۔

درمیان میں پلوشہ نہ ہوتی تو آج شاید مار کر اُس کا حلیہ ہی بگاڑ دیتیں۔ اس لمحہ ان کے چہرے پر نفاست، شائستگی اور خاندانی ہونے کا شائبہ تک نہ تھا۔

پلوشہ نے تاسف، ملال سے اپنے عزیز بھائی کی پسند کو دیکھا تھا اک دکھ اس کے وجود میں ہلکورے لینے لگا۔

''سمجھا دینا اس بیمار کو ویسے تم بہن بھائیوں کی چالاکیاں اچھی طرح جانتی

ہوں۔''

''پلیز بھابھی۔'' نایاب کی غیر ہوتی حالت اس سے پوشیدہ نہ تھی۔

''یہ ڈھونگ اور ناٹک ادھر نہیں چلنے کا' لڑکی بہتر ہے ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آ جاؤ نہیں تو میں ہوش میں لانا بھی جانتی ہوں اور ہوش کھونا بھی۔'' لالہ رخ نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھا اور چلی گئی۔

ان کا یہ روپ تو آج ہی دیکھا تھا اتنا واضع اور بے باک انداز صاف لگ رہا تھا انہیں نہ تو اپنی عزت کا خیال تھا نہ مرتبے کا اور اس سلسلے میں وہ بڑوں کی بات کو بھی اہمیت نہیں دیں گی۔

گہرا سانس لے گھوم کر پلوشہ نے نایاب کو دیکھا ساکت و جامد وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے یوں بیٹھی تھی جس کا سب کچھ لٹ جائے اور کچھ کہہ بھی نہ سکے۔



عمر آفندی نے اس دن کے واقعہ کے بعد لالہ رخ سے بات کرنا تو دور کی بات دیکھنا تک چھوڑ دیا تھا اس کے دل پر آرے چلنے لگے۔ عمر آفندی نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور غصے میں بپھری ہوئی عورت سے اچھائی کی توقع حماقت ہے' سمجھ بوجھ مفقود ہوتی چلی جاتی ہے۔ لالہ رخ بھی انتقام کی ایسی آگ میں جل رہی تھی اور یہ آگ ان کی اپنی لگائی ہوئی تھی۔ صبر اس میں تھا نہیں اور مزید صبر آفندی کے اندر بھی ختم ہو گیا ایک معرکہ ہونے کو تھا جس نے آتش فشاں کو جنم دینا تھا۔

''نایاب! نایاب'' وہ جانے کن سوچوں میں غلطاں تھی کہ دوسری آواز پر بھی نہیں چونکی۔

''نایاب!'' علی آفندی بالکل قریب آ گیا۔

''ہوں!'' اس' کی آنکھیں شب بیداری کی غماز تھیں۔ دکھ اس کے اندر اتر گیا۔

''کیا بات ہے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے جانتی ہو بی بی جان کتنی دکھی ہیں تمہاری یہ حالت دیکھ کر سب کو افسوس ہے' سب تمہارے ساتھ ہیں تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔'' تسلی بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے نایاب کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے سر جھکا لیا' بکھرا حلیہ اس کے اندر آس جگا گیا۔

''ہم نے بہت دکھ اٹھا لیے ہیں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔ کہیں نہیں جانے دیں گے ہم تمہیں تم اس گھر کی امانت ہو اب ہم سب کی ذات کا حصہ بن گئی ہو پھر میں ہوں

تمہارے ساتھ تمہارا اپنا علی' آئی لو یو نایاب' رئیلی آئی لو یو۔'' علی نے دھیرے سے ہاتھ دبا کر اپنے جذبوں کا اظہار کر دیا' لمحہ کوئی اور ہوتا اور حقیقت کچھ اور ہوتی تو اس کے چہرے پر گلاب کھلتے نینوں میں چراغ جلتے اور وہ خود چھوئی موئی بن کر خود میں سمٹ کر چہرے پر گھنیری زلفوں کا پردہ گرا لیتی۔

لیکن!

''علی غزالہ کا ہے اور غزالہ کا ہی رہے گا میں تمہیں اس تک پہنچنے نہیں دوں گی۔''
سماعتوں میں کسی کے جملے گونج رہے تھے' نایاب نے سر جھکا لیا آنکھوں میں کوئی احساس نہیں جاگا۔

''اتنی بڑی بات' میں تو ابھی خود اپنی منزل کا تعین ہی نہیں کر سکتی پھر امانت میں خیانت کیوں! میرے والدین ہی تو مجھ سے گم ہو گئے ہیں روٹھ گئے ہیں نا خود مجھے اپنے ہونے کا تعین نہیں پھر۔ اتنی بڑی سچائی۔۔۔۔'' اس کا لہجہ بے وزن تھا اور جملے بے ربط سے۔

''میں اس کی اہل ہوں اور نا قابل' آپ کو غزالہ مبارک ہو۔''

''غزالہ!'' علی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ویسے بھی میں انگیج ہوں۔''

علی شدید جھٹکوں کی زد میں تھا' اسکے اندر زبردست تبدیلی ہو رہی تھی۔

''ہمدردی کا شکریہ۔'' علی نے دھیرے سے ہاتھ دبا کر اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

''پلیز!'' نایاب نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔

''وہ سب بچپن کی بات ہے' ابو اور عمر بھائی عنقریب فیصلہ کروا لیں گے وہ شخص قطعاً تمہارے قابل نہیں ہے تمہارے والد کی غلطی ہے اور ہم تمہیں اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتے۔'' علی نے سمجھایا۔

''میرے والد کی غلطی۔'' نایاب نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میرے والد سے آپ کا کیا رشتہ تھا اس کا بھی احساس کرلیں۔" اس نے بڑے گہرے اور دھیمے لہجے میں کہا اور یکدم ہی باہر نکل گئی۔ علی ساکت بیٹھا رہ گیا۔ وہ تو آج محبت کا اظہار کر کے اپنے ہونے کا یقین دلانے آیا تھا۔ لیکن یہاں تو بساط ہی الٹ گئی تھی اور غزالہ۔۔۔ اسے غزالہ کے بارے میں کس نے بتایا؟ وہ تو قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ ماضی کا حصہ اس کا تو راستا ہی بدل گیا تھا۔

پلوشہ "پلوشہ" علی اسے آوازیں دینے لگا۔

"پلوشہ.....پلوشہ!....." علی کی آواز بلند تھی۔

کیا ہوا۔ بھائی.....!

یہ..........یہ نایاب کو کیا ہوا ہے؟ اس کا لہجہ اس کا انداز اس کی سوچ.....کیا کہا ہے اُس نے!.....پلوشہ سامنے بیٹھ گئی۔

"کیا.....بھابھی نے پھر بات کی ہے۔ نایاب سے.........شکی انداز میں دیکھا۔

ہاتھ مسلتے ہوئے نایاب نے نگاہ چرالی۔

.....بولو۔ پلوشہ! یقین سے اسے دیکھا۔

ہاں!.....مگر وہ حق بجانب بھی تو ہیں عمر بھائی ان پر بالکل توجہ نہیں دے رہے۔ اس موڑ پر تو ایک عورت اسی طرح کی حرکتیں کرسکتی ہے۔ وہ ایک نفسیاتی کیس بن کر رہ گئیں ہیں۔

اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ایک بیمار وجود کو خاکستر کر دیا جائے۔ انہیں آئینہ دیکھنے کی ضرورت ہے وہمہ پالنے کی نہیں ان کا انداز ان کا لہجہ سب کچھ عمر بھائی کے ساتھ بدلا ہے۔ یہ لڑکی کہاں سے آ گئی کیوں اس کی دشمن بن رہی ہیں؟"۔

علی!!.....پلوشہ نے دھیرے سے اُسے پکارہ۔

وہ سمجھی ہیں کہ عمر بھائی انہیں چھوڑ دیں گے اور۔ اور نایاب سے شادی کرلیں گے۔"

کیا!!!۔ علی تو ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ ان کے ذہن نے کیسے سوچ لیا؟

"عمر بھائی کی عدم توجہی بیگانگی اور ہرٹ کرنے والے انداز نے۔

کیوں۔؟۔ تیکھے انداز میں اسے دیکھا۔

"بجائے سمجھانے کے وہ یہ کیا کر رہی ہیں انہیں اپنی غلطیوں کا احساس نہیں۔ اس طرح کی حرکتوں سے مرد سنبھلتے نہیں بلکہ بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور کیا کبھی ہمارے خاندان میں کسی نے دوسری شادی کی ہے۔"

"علی بھائی میں تو خود بہت پریشان ہوگئی ہوں ایک طرف بھابھی ہیں اور دوسری طرف نایاب۔ بالکل گم سم ہوگئی ہے۔ اب تو وہ خود کہتی ہے کہیں میری یاداشت تو گم نہیں ہوگئی.....

لب بھینچ کر علی چونکنے کے سے انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔

اپنے ذہن پر زور دیتی ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا ہوا ہے مگر اُس کو یاد نہیں آتا.....پھر رونے لگتی ہے۔ بھائی ہمیں اس کیلئے کوئی کوشش کرنا چاہیئے۔ جب تک اُسے ہوش نہیں آ جاتا اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا اور بھابھی کا رویہ مزید اُسے زردرنج کر کے رکھ دیتا ہے۔

پلوشہ آج خود بھی ملول تھی بھابھی کے انداز نے اس کی حساسیت کو بے انتہا دکھی کر دیا تھا۔ انسانی ہمدردی ان کی نگاہ میں کوئی چیز ہی نہیں تھی۔

"پلوشہ.....میں بی بی جان سے بات کرتا ہوں کہ میری اور نایاب کی انگیجمنٹ کر دیں۔ بھابھی کے دل سے تمام خدشات نکل جائیں گے اور ہم پھر بہتر انداز سے اس مسئلہ کو حل کرلیں گے۔"

علی نے بامعنی انداز میں پلوشہ کو دیکھا۔

اور!.....اکبر داؤ!.....تفکر سے بھائی کو دیکھا۔

نان سینس !.....غصہ سے مکہ بنا کر دوسرے ہاتھ پر مارا۔

وہ تو ایک نمبر کا فراڈ ہے تم دیکھنا جو کھیل وہ کھیل لینا چاہتا ہے اُس کا انجام کیا ہوگا۔

''تم صرف اتنا کرو۔ کہ نایاب کا بے انتہا خیال رکھا کرو۔ وہ لڑکی مجھے بے انتہا عزیز ہوگئی ہے اُس کے دکھوں کا ازالہ کرنا اُسے خوشیاں دینا اس گھر کا فرض بن گیا ہے۔ لالہ رخ بھابھی کو کسی بھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

اُس کی پیشانی پر سوچ کی لہریں گہری ہو رہی تھیں۔

''غزالہ اب قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ مجھے اس سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ بھی ان کی طرح سے شکی ذہنی ہوگئی اور مجھے اپنی زندگی کو ذرد رنج کرنے کا کوئی شوق نہیں۔

پلوشہ کو یوں دیکھا جسے اپنا فیصلہ سنا رہا ہو۔

اور پلوشہ کے اندر فکر و تفکر کی ہوائیں اڑانے لگیں جانے اس گھر کی قسمت میں کیا دیکھنا لکھا ہے۔

''تم نایاب کے ساتھ زیادہ رہا کرو کوشش کرو کہ ان کا اور نایاب کا سامنا نا ہو بہتر ہے کہ کوئی اسکولنگ یا اکیڈمی جوائن کرلو۔ ذہن بھی بٹے گا اور اُسے اس ماحول سے تھوڑی سی رہائی ملے گی تو شاید اُس کا ذہن تبدیل ہو جائے۔

علی کا انداز۔ اُس کا لہجہ اور نایاب کیلئے اُس کا تفکر۔ .....اور علی بھائی کا طرز عمل۔

پلوشہ تو بس۔ اندر تک بے چین ہو رہی تھی۔

میں جاؤں !.....

ہوں !... سوچتی نگاہ اُس پر ڈالی۔

جاؤ۔ اور ان سب باتوں کا خیال رکھنا۔

پلوشہ اس پر نگاہ ڈال کر باہر نکل گئی۔

''بھابھی یہ سراسر خسارے کا سودا ہے اور یہ سودا آپ نے ہی کیا ہے۔'' وہ بڑبڑا کر رہ

گیا۔

اے عمر رواں پرسش ایام کہاں ہے
جس میں ہو سکون رچ کر وہ شام کہاں ہے
ہر راستے کے آخر میں کئی رستے کھلتے ہیں
اس راہ جنوں میں کوئی انجام کہاں ہے

☆☆☆

دل عجیب شہر ہے محبت کا
ہر گلی میں سیراب آن بسے

عمر آفندی کو دیکھ کر ڈاکٹر شہزاد نے ذومعنی انداز میں شعر پڑھا عمر آفندی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

''اڑالو اڑالو مذاق' تم نہیں اڑاؤ گے تو کون اڑائے گا۔''

''میرے بھائی یہ مذاق نہیں بلکہ حقیقت ہے تم خود سوچو ذرا اگر تمہارے پاس وقت کہاں ہے سیدھی سی بات واضح لفظوں میں شاعر نے کی ہے۔''

دل عجیب شہر ہے محبت کا۔

''واقعی ہوتی ہے دل کی محبت عجیب' بلکہ عجیب ترین کب کہاں کسی حال میں بھی شروع ہو جائے۔'' ڈاکٹر شہزاد نے تشریح کی۔

''شہزاد' عمر نے تنبیہی انداز میں دیکھا' وہ بے اختیار ہنس دیا۔

''میرے بھائی جب آنکھیں بند کر کے محبت ہوگی دل کی گلیوں میں سراب تو ہوں گے ہی۔''

عمر آفندی مکا تان کر بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ دروازہ کھلتا دیکھ کر رک گئے۔''

''مے آئی کم ان سر!''

ایک خوش شکل نوجوان دروازے سے اندر آ گیا۔ وہ دونوں یک دم سنجیدہ ہو گئے۔''
السلام علیکم! مجھے ارسلان داؤد کہتے ہیں'' عمر آفندی کے اعصاب تن گئے۔

''میں اپنی وائف سے ملنا چاہتا ہوں اب انکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے وکیل کیوں کیا اور ان کے وکیل نے خلع کا نوٹس کیوں بھیجا ہے۔''

''مسٹر ارسلان یہ کورٹ کی باتیں ہیں اور عدالت میں ہوں گی۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' عمر نے بمشکل خود پر کنٹرول کیا۔

''میں ان سے ملے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ ہر حال میں مجھے اپنی وائف سے ملنا ہے آپ لوگ اس پر جبر نہیں کر سکتے میں آپ لوگوں کو حبس بے جا کے کیس میں اندر کروا دوں گا سمجھ کیا رکھا ہے ایک بے زبان......''

مسٹر! عمر آفندی یک لخت کھڑے ہو گئے۔ آئی سے گیٹ لوسٹ'' اس بات کا فیصلہ عدالت کرے گی کون اندر جائے گا اور کسے عزت ملے گی۔'' عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا انہوں نے ساتھ ہی بیل بجا دی۔

''دیکھ لوں گا تم سب کو میں۔'' وہ کسی کے آنے سے پہلے باہر نکل گیا۔

''دھوکے باز بے ایمان۔'' عمر آفندی کرسی پر گر گئے ڈاکٹر شہزاد سارا مزاح بھول کر تاسف سے دیکھ رہا تھا۔ کس حال میں پھنس گیا تھا اس کا دوست تقدیر کا کون سا پھیر تھا یہ وقت کی بساط پر اس کے مہرے کیا چال چلنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

آج کی ساری بات عمر نے اپنے گھر میں بی بی جان اور تمام گھر والوں کو بتا دی علی تو پہلے ہی گم سم تھا۔

سب سوچ میں پڑ گئے سب کی منشا سے نایاب کی جانب سے وکیل مقرر کیا گیا تھا تاکہ اگر نکاح ہے بھی تو ختم کیا جا سکے بچپن کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ پھر ابھی نایاب کی

بھی حالت ایسی نہیں تھی کہ رخصتی کروائی جا سکتی دو دن پہلے ہی وکیل نے نوٹس بھیج تھا۔ جوابی نوٹس کے جواب میں لڑکا خود آ گیا تھا۔ لڑکا اچھا خوش شکل اسمارٹ پڑھا لکھا تھا مگر کہیں سے بھی امریکا پلٹ نہیں لگ رہا تھا۔

''اب کیا کیا جائے۔'' ہر کوئی سوچ رہا تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی تھی نایاب جانے کہاں تھی معلوم نہیں وہ بے خبر تھی یا باخبر۔

''میرے خیال میں ایک کوشش اور کرتے ہیں اور اسے اسکے گھر لے جاتے ہیں ہو سکتا ہے گھر کی چیزوں کو دیکھ کر اس کے اندر پہچان کے سائے روشن ہوں اور امید کے چراغ جل اٹھیں۔'' شہباز آفندی نے مشورہ دیا۔

''بات تو آپ کی درست ہے بابا جان لیکن اس کا کوئی شدید ردعمل نہ ہو جائے۔'' عمر نے انہیں دیکھا۔

''اس سے زیادہ شدید ردعمل کیا ہو گا اس کی زندگی کا پیکج ہی تبدیل ہو گیا ہے۔''

اکبر داؤد کسی طور بھی اس راستے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا سوچوں کا ایک سلسلہ تھا۔

اس پوری محفل سے ایک اور شخص بھی غائب تھا اور وہ تھی لالہ رخ' سب اس محفل میں جمع کسی کے دکھوں کا ازالہ کرنے کی بابت سوچ رہے تھے۔ اور لالہ رخ اپنی ذاتی خوشی کے لیے اسکا نام صفحہ ہستی سے ہی مٹا دینا چاہتی تھی دوسرے کا دکھ اور مظلومیت نہیں اپنی انا عزیز تھی۔ اور انا جب شکست خوردہ ہو جائے تو ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ابھی یہ بات اس کے علم میں آئی نہیں تھی۔ اس مسئلے کا حل کیا ہو گا ہر کوئی اس فکر میں غلطاں تھا۔

''بعض مسئلے ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی حل نکل ہی نہیں سکتا' وقت خود اس کو حل کر دیتا ہے یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے خدا اپنے بندوں کو اس کی ہمت سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا۔''

ہال میں گہری خاموشی تھی دھیرے سے دروازہ کھول کر نایاب اندر آ گئی۔

''نایاب' تم! آؤ آؤ۔'' بی بی جان نے محبت سے اسے اپنے پاس بلالیا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری' سب کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''جی'' اس نے ایک نظر جھکا کر کہا'' وہ میں آپ سے کچھ کہنے آئی تھی'' سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''کہو بیٹا۔'' بی بی جان نے شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

'' آپ لوگ میرے لیے پریشان نہ ہوں بی بی جان مجھے ابو کا فیصلہ منظور ہے انہوں نے جانے کیا سوچ کر یہ کام کیا ہوگا۔ مجھے اس رخصتی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''کیا!'' سب کو گویا سکتہ سا ہو گیا ساتھ ہی اس کی دماغی حالت پر شک ہوا۔

''اب جو کچھ بھی ہے میرا نصیب۔''

منزل کا یہاں کوئی اشارہ ہی نہیں ہے
تا حد نظر کوئی ستارہ ہی نہیں ہے
لوگوں کو میرا درد گوارہ ہی نہیں ہے
اس شہر میں اب میرا گزارہ ہی نہیں ہے

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے کیا کہہ رہی ہو تم۔'' سب سے پہلے ارجمند بانو کو ہوش آیا۔

''کس بات کی کمی ہے یہاں نایاب کیا ہم سب لوگ تم سے محبت نہیں کرتے بیٹا! کیا تمہیں اکیلا چھوڑ دیا ہے' ہم تمہارے ساتھ ہیں' تمہارا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم تنہا اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہو۔''

بی بی جان نے اس کا سر شانے سے لگالیا۔ اس کی حالت زار نے عمر آفندی کو شدت سے ہرٹ کیا ان کے چہرے سے عیاں تھا کہ آج وہ کوئی فیصلہ کر کے اٹھیں گے۔ چاہے اسکے لیے کچھ بھی ہو جائے۔

کچھ ایسا ہی حال علی کا بھی تھا رشتہ تو ختم ہو ہی رہا تھا' پھر وہ سب کی تسلی تشفی اور کچھ اپنے دل کے سکون کے لیے قوت فیصلہ کو آزمالے۔

''تم اس وقت بیمار ہو بیٹا دماغ پر کوئی بوجھ مت لو کہیں تمہاری طبیعت خراب نہ ہو جائے' جانے والا تمہارا باپ تھا تو ہمارا بھی تو کچھ لگتا تھا کیا ہم اس کی آخری نشانی کو اسی طرح سے چھوڑ دیں۔''

''بی بی جان!'' اس نے دھیرے سے سر جھکا کر انہیں دیکھا۔ ایک بات پوچھوں.....

''بولو بیٹا'' کیا میں جھوٹ کہوں گی۔''

''مجھے کبھی کبھی احساس ہوتا ہے جیسے میرا آپ لوگوں سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ماضی کی کوئی بات زور دینے پر بھی یاد نہیں آتی' میں یہاں کس طرح سے رہتی تھی' آپ لوگوں کے ساتھ امی ابو کے ساتھ سوچتی ہوں' تو دھندلے سے خاکے بنتے ہیں' دھند کے پار کیا ہے کچھ نظر ہی نہیں آتا' آپ لوگوں کے پاس ابو امی ہم سب کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے کہ انہیں دیکھ کر ہی مجھے یاد آجائے کچھ کیا میری یادداشت کھو گئی ہے بی بی جان' اس نے دھیرے سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

کمرے میں یک لخت سناٹا سا ہو گیا۔

''کیا میرا ماضی سے تعلق ٹوٹ گیا ہے۔'' آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''بس کرو بیٹا بس۔'' بی بی جان نے اسے سینے سے لگالیا۔

''میرے ذہن میں بہت سے سوال ہیں الجھی گتھی سلجھتی ہی نہیں ہے۔''

''نایاب!'' عمر آفندی کی گمبھیر آواز نے اس کی آواز کو روک دیا۔

''تم اکیلی نہیں ہو اور نہ ہی ہم لوگ اتنے ظالم ہیں کہ تمہیں اتنے برے لوگوں میں بھیج دیں اور اگر تمہارے دل میں ایسی بات ہے کہ خلع لینے کے بعد تم سے کوئی شادی نہیں کرے گا تو تمہاری بھول ہے' تم جو کہو گی تمہاری بات مانی جائے گی ورنہ تو پھر۔''

"عمر بھائی۔" اس کے اعصاب چیخ گئے۔

"اتنی بڑی بات میں سوچ بھی نہیں سکتی مشرقی لڑکیوں کے فیصلے والدین ہی کرتے ہوئے اچھے لگتے ہیں' میرے والدین کا انتخاب برا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اگر وہ برے ہیں تو ابو کو یہ رشتہ کرنے کی اجازت کیوں دی' بی بی جان کیا بچپن کی شادیوں کے نقصانات کا اندازہ نہیں تھا ان کا فیصلہ غلط تھا تو روکا کیوں نہیں؟" آنسو ضبط کے باوجود رخساروں پر بہہ نکلے۔

"میں آپ سب کو اس ٹینشن سے نکال دینا چاہتی ہوں میں ان لوگوں کے ذہنی تناؤ کو دور کردینا چاہتی ہوں جن کو وسوسے سے ڈرا رہے ہیں۔" ہر امتحان کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔ اتنا عرصہ ہوگیا ہے اب اس کشمکش کا بھی فیصلہ ہوجانا چاہیے۔

"کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا آنسو صاف کرو جاؤ پلوشہ! اسے کمرے میں لے جاؤ۔"

عمر آفندی نے گویا حکم دیا پلوشہ نے سرعت سے عمل کیا۔ بی بی جان سر تھام کر رہ گئیں وقت نے جانے کون سا امتحان لینا تھا۔ قدرت نے کس آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ عمر نے ماں کو دیکھا۔

"امی جان اپنی بہو کو سمجھالیں مجھے کسی آزمائش میں مت ڈالے کہ میں کوئی فیصلہ کر بیٹھوں' وہ سکون واطمینان سے یہاں وقت گزارے۔" ساری گفتگو سنتی لالہ رخ جل بھن کر کباب ہوگئی۔

"عمر یہ وقت تحمل اور اطمینان سے گزارنے کا ہے جذباتیت تمہیں زیب نہیں دیتی آخر وہ بھی تو۔۔۔"

ماں کی نگاہ خوردبین ہوتی ہے اولاد خواہ کتنا ہی چھپالے سارے راز جان لیتی ہے۔

"امی جذباتیت وہ تھی جس سے میں نکل آیا ہوں یہ میرا اعتماد ہے نایاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر میں اس سے نکاح کر کے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

عمر نے گویا دھماکا کردیا سب دم بخود رہ گئے' عمر کی ہمدردی یوں رنگ لائے گی یہ تو سوچا بھی نہیں تھا۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟" شہباز آفندی نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"جی بابا جان میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ خود بتائیے اسے اس طرح سے بھی تو نہیں چھوڑا جاسکتا کون ہے اس کا اس دنیا میں' کوئی رشتہ دار نہیں ہے لیکن اس کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہے۔" بی بی جان نے بات ختم کردی۔

"لیکن یہ بعد کی بات ہے پہلے اس کا علاج ہو ممکن ہوسکتا ہے اچھا نتیجہ برآمد ہو اس کا بھائی بھی آسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی یادداشت واپس آجائے بقول ڈاکٹر رعنا کے وہ تندرست ہوسکتی ہے۔"

"مگر بابا جان؟"

"بس اب تم جاسکتے ہو۔" انہوں نے گفتگو کو ختم کردیا۔

عمر نے لمحہ بھر کو انہیں دیکھا اور کمرے سے نکل گئے تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

میں اس جڑ کو ہی اکھاڑ دوں گی جو سانپ بن کر مجھے ڈس لے۔" لالہ رخ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اس ساری گفتگو نے علی کے اعصاب کو چٹخا کر رکھ دیا تھا وہ تو نایاب کی محبت میں بہت دور نکل گیا تھا اور اب عمر بھائی کے ارادے معلوم ہوگئے تھے اور انہیں کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا اپنی مرضی کرتے تھے وہ۔

"نہیں؟" بے چینی سارے وجود میں اتر گئی۔

"وہ یہ قربانی نہیں دینے دے گا ہر قیمت پر نایاب سے شادی کر کے رہے گا۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

''یہ میرے والدین کا فیصلہ ہے پلوشہ میں کیسے خود کو الگ کرلوں۔'' نایاب نے پلوشہ کو مخاطب کیا۔

''والدین کا فیصلہ غلط بھی تو ہوسکتا ہے۔''

''انہوں نے میرے بارے میں جانے کیا سوچ کر فیصلہ کیا تھا میرے انکار سے انہیں دکھ نہیں ہوگا۔''

''نایاب یہ غلط فیصلہ تمہاری زندگی پر اثر انداز ہوگا لڑکیوں کی شادی کھیل نہیں ہوتی۔''

''اس وقت کیوں نہیں روکا تھا ابو کو۔''

''جب انہوں نے نکاح کر دیا تب ہم لوگوں کو علم میں آیا تھا۔'' پلوشہ نے نظریں چرا کر تسلی دی۔

''ویسے مجھے کبھی کبھی بے حد حیرت ہوتی ہے۔ میرے نکاح تک کی تصویریں تم لوگوں کے پاس نہیں ہیں' میری کوئی تصویر نہیں ہے اس سے مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں اس گھر کی فرد نہیں نہیں ہوں کہیں کچھ کمی ہے جو مجھے میرے ہونے کا احساس دلا رہی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو نایاب۔'' پلوشہ ایک کوشش کرنے لگی کہ اس سے اچھا موقع کوئی اور نہیں ملتا۔

''کیا!'' خالی نظروں سے اُس کی جانب دیکھا۔

(خدا کرے یہ نفسیاتی کوشش کامیاب ہوجائے صدقِ دل سے دعا کی۔)

''تمہارے ایک گھر اور ہے۔''

''کیا۔۔۔؟'' اس انکشاف نے اسے حیرت زدہ کردیا۔

''میرا گھر۔۔۔کہاں ہے؟''

''تمہارا ایک گھر اور ہے نایاب جو تمہارے ابو نے بتایا تھا چچی کی خواہش ان کی پسند سے مگر وہ اس میں زیادہ عرصہ رہ سکے۔''

''کہاں ہے وہ گھر پلیز مجھے وہاں لے چلو ابھی تک تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کیوں چھپایا؟''

''یہ مصلحت کا تقاضا تھا۔'' وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔

''مصلحتیں بہت کچھ کروا دیتی ہیں پلوشہ ہوسکتا ہے کہ میں بھی کوئی اور فیصلہ کرلوں۔''

''نہیں نایاب پہلے تم وعدہ کرو کہ تم کوئی ایسا فیصلہ نہیں کروگی جو سراسر جذباتی ہوگا آخر کوئی وجہ تو ہے نا جو سب اسی نکاح کے مخالف ہیں۔''

''بہر حال جو ہوا سو ہوا لیکن تمہاری زندگی کو اب مزید اندھیروں میں نہیں دھکیل سکتے اور میں نے کہہ دیا ہے کہ تم اس سلسلے میں کچھ نہیں بولوگی۔''

''مگر پلوشہ یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے اس کے لیے میں اتنی انسلٹ برداشت نہیں کرسکتی۔ تم جانتی ہو کہ یں۔۔''

''تم بھابھی کی فکر مت کرو نایاب بہت خودسر اور ضدی ہیں وہ' ساتھ ہی ایک شکی مزاج عورت بھی اور شک زندگی کی خوشیوں کو گھن لگا دیا کرتے ہیں۔''

''لیکن میرا تو ایسا کوئی بھی ارادہ نہیں ہے۔'' بے بسی سے آنکھیں بھر آگئیں۔

''اگر ارادہ نہیں ہے تو کرلو اس لیے کہ تمہیں ہر صورت اس گھر کی بہو بننا ہے۔''

''کیا!۔۔۔'' اس کی ذو معنی مسکراہٹ نے سے ششدر کردیا۔

''بکواس نہیں کرو۔'' اس نے منہ پھیر لیا۔

''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے علی بھائی کی شدید خواہش ہے' اسی لیے وہ سب سے زیادہ اس نکاح کے مخالف ہیں۔''

''پلوشہ۔'' سنجیدگی کے احساسات اس پر حاوی ہونے لگے۔

''وہ بات مت سوچو جس میں شکوک ہوں بھابھی کی بات بالکل درست ہوگی اور میں کیا کچھ نہیں جانتی اور پھر غزالہ۔۔۔''

"غزالہ، علی بھائی کی پسند ضرور تھی مگر انتخاب نہیں بس اب انہوں نے جب یہ مرحلہ طے کرلیا ہے تو باقی سب ختم ہوگیا ہے۔ نایاب علی بھائی بہت حساس ہیں پلیز ان کے احساسات کی قدر کرنا۔" پلوشہ ساتھ ہی اپنے بھائی کی وکالت بھی کررہی تھی جانے کتنے لمحے اسی طرح گزر گئے۔

"اپنے چھوٹے سے ذہن پر اتنا بوجھ مت ڈالو نایاب اپنی تمام پریشان سوچوں کو میرے حوالے کردو۔"

گمبھیر اور خوشبودار آہٹ نے اسے چونکا دیا کمرے میں پلوشہ نہیں تھی اس کے مقابل ذرا سا جھکا ہوا علی کھڑا تھا لودیتی شخصیت تھی۔

"آپ! اس نے جھجک کر سر جھکا لیا۔

"ہاں میں۔۔کیا برا لگا۔"

مگر اس بات کا فیصلہ ابھی اس نے نہیں کیا تھا پلوشہ کی بات اس کے لہجے میں یقین دلا رہی تھی۔

"اظہار کا مرحلہ طے ہوگیا ہے کیا یہ بھی یقین دلا دوں کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی نہیں جیت سکتا۔" وہ دھیرے سے دوزانو بیٹھ گیا۔

"میں کسی کھیل کا حصہ تو نہیں ہوں جسے جیتا جائے وقت بڑا بے مہر ہوتا ہے۔"

"ہاں وقت بڑا بے مہر ہوتا ہے لیکن" دھیرے سے اسکی آنکھوں میں رنگ چمکنے لگے۔ "بے سبب بھی تو نہیں ہوتا۔"

"علی میرے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ مت کیجئے گا جس سے سب ہرٹ ہوں جب کہ میں۔"

"میں کے آگے" "میں" "ہوں بس تم میرے یقین کو تو اعتماد دے دو۔"

علی نے دھیرے سے جھک کر اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں تو معلوم نامعلوم کے درمیان سفر میں ہوں میں ہوں بھی یا نہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ میری اصل کیا ہے؟" اس کی آنکھوں میں گہرے رنج وملال کے رنگ تھے۔

علی نے دھیرے سے اس کے ہاتھ دبا کر اپنے یقین کی مہر ثبت کردی۔

ان سب باتوں کا جائزہ لیتی اور سنتی لالہ رخ کو جہاں ایک سکون ملا وہاں ایک طنزیہ مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر بکھر گئی۔ آج کل اس کا یہ ہی کام تھا سن گن لینا اور جلنا کڑھنا۔

"حسب ونسب والے لوگ چلے ہیں عشق بگھارنے وہ بھی اس سے جس کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے کس خاندان کی ہے۔" لالہ رخ نے انتہائی گری ہوئی بات سوچ لی۔

ویسے بھی آج کل وہ عورت کے اس مقام پر تھی جہاں پر عورت عورت نہیں رہتی بلکہ انتقام بن جاتی ہے اور عورت اگر انتقام پر اتر آئے تو ہمیشہ ہی راکھ ہوتی ہے بعض اوقات یہ راکھ ہر سو دکھائی دیتی ہے اور بعض اوقات صرف تہ دل میں رہتی ہے۔

☆☆☆

آج رضا علی اور عاصم بخاری اس سے ملنے آئے تھے۔ کتنی عجیب بات تھی یا پھر وہ محسوسات کے معاملے میں بہت حساس ہوگئی تھی ان دنوں ان سے کوئی بھی اٹوٹ ناتا محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ ابو سے ان کی دوستی یاد ہی نہیں آتی تھی۔ آج تو بہت غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی جو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی وتشفی کے پھاہے رکھ رہے تھے۔

"تم ہماری بھی بیٹی ہو گھبرانا نہیں نایاب کوئی بھی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا بس تم ثابت قدم رہنا خبردار جو تم نے کوئی ایسا ویسا قدم اٹھایا تو ضروری نہیں ہے جو غلطی تمہارے باپ نے کی وہ تم بھی کرو" ناصحانہ انداز میں دیکھا۔

اور وہ سر جھکائے سوچتی رہی اس غلطی کا نشان کیوں نہیں ملتا کوئی کیوں وہ نہیں بولتا

کہ اس کی بے قراری کو قرار آ جائے۔ اس کی سوچوں کو کنارا مل جائے ایسا کیوں نہیں ہوتا۔

"ہاں۔۔۔۔!"

یکا یک ہی اسے وہاں بیٹھے بیٹھے ایک خیال چونکا گیا وہ گھر جائے 'اپنے گھر' ہوسکتا ہے اس کی ذات کی کوئی گمشدہ کڑی مل جائے شاید اس کے وجود کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر سے جڑ جائے' شاید وہ جو ہے اس کا علم اسے بھی ہو جائے۔

"انکل' جب ابو نے میرے بارے میں فیصلہ کر دیا تو پھر سب اتنے منحرف کیوں ہیں' وہ میرے ابو تھے میرے بارے میں کوئی غلط فیصلہ کر سکتے تھے بھلا۔"

"بے شک اس نے اپنے وقت پر ایک اچھا فیصلہ کیا ہو جب کہ میرے خیال میں بچپن کے رشتے ہوتے ہیں فضول ہیں' ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ وقت کس قسم کی آگہی سے ہمکنار کرتا ہے اب ہمیں اکبر داؤد اور اس کے بیٹے کا کردار مشکوک لگتا ہے ہم سب لوگ اس خیال سے متفق نہیں کہ تمہیں وہاں رخصت کر دیا جائے' تمہارے والد اگر زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی اس فیصلہ کو بالکل غلط بلکہ اپنی کوئی جذباتی غلطی کا نام ضرور دیتے۔ ہم لوگ غلطیوں کا ازالہ تو کر سکتے ہیں مگر گناہ کا کفارہ بہت مشکل ہوگا۔' ایک غلطی کر کے ہم سب دوسری غلطی نہیں کرنا چاہتے۔ تم ہمیں فیروز کے حوالے سے بے انتہا عزیز ہو۔"

رضا مراد نے تفصیل سے اسے سمجھا دیا۔ مگر اسکا ذہن کسی بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ وہ خود اس بارے میں فیصلہ کرے گی اور کسی کو آہتک آمیز لہجہ اختیار کرنے کی قطعی اجازت نہیں دے گی۔ اگر وہ بیمار ہے تو اسے تندرست بھی ہونا چاہیے اور اس کی صحت کے لیے اسکو خود قوت ارادی سے کام لینا ہوگا' ان کی باتوں کو سنتے ہوئے اس نے یقین اور مضبوطی سے سوچا۔ اور اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں جکڑ کر سب سے پہلے خود کو اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

☆☆☆

سیاہ پجیرو میں بیٹھے بیٹھے اس نے بہت غور سے باہر دیکھا اس کی نظروں کے احاطے میں اس وقت وہ چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ نما گھر تھا جس کے سفید گیٹ کے سامنے ان کی پجیرو کھڑی تھی جس کا ڈرائیور علی آفندی تھا اور اس کے برابر میں پلوشہ تھی۔ جو اس کی حرکات و سکنات پر مکمل نظر رکھی ہوئی تھی۔

گیٹ پر چوکیدار نہ تھا دیوار پر جانے کون سے موسم کی بیل سوکھ کر مرجھا چکی تھی۔ سوکھے پتے ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ دھیرے سے وہ نیچے اتر آئی علی نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔ لان کی حالت ابتر تھی۔ ہر سو خشک پتوں کا انبار لگا ہوا تھا' بے ترتیب پودے تھے۔ کاریڈو میں گرد کی دبیز تہ تھی۔

نگاہ لمحے بھر کو اس جانب مرکوز ہوگئی۔ وہ سیاہ رنگ کا جھولا تھا جو لان کے آخری گوشے میں چنبیلی اور زرد پھولوں کی باڑھ کے قریب اور ہار سنگھار کے گھنے پیڑ تلے تھا باڑھیں جنگل کی صورت اختیار کرنے کو تھیں۔

"معاف کرنا کزن تمہاری بیماری اور پھر اس اندوہناک حادثے کے سلسلے میں اس قدر مصروف رہے کہ یہاں کی صفائی کا خیال ہی نہیں آیا' اب تم آئی ہو تو خود ہی اس گھر کو صاف کرنا۔"

علی نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"اور مدد کرنے کے لیے تمہارے پاس پلوشہ موجود ہے کیوں پلوشہ؟"

"ہاں کیوں نہیں آخر کو یہ۔۔۔ میرے۔۔۔۔" بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ رک گئی نایاب جھولے کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ذہن کی طنابیں شاید بہت دور تھیں اپنے اطراف میں وہ بہت گہری نگاہ ڈالتی جا رہی تھی۔

پھر وہ اندر کاریڈور کی جانب بڑھ گئی پہلا دروازہ کھولا وہ ڈرائنگ روم تھا نفاست سے سجا ہوا' تاہم ہر چیز پر گرد کی ایک موٹی سی تہہ جمی ہوئی تھی جو تمام ثبت نقوش کو مٹاتی چلی

جا رہی تھی‘ ہر چیز پر طائرانہ نگاہ ڈال کر اس نے بے قراری سے اگلا دروازہ کھول دیا۔

دونوں بہن بھائی اس کی ہر حرکت کو دیکھتے اس کے پیچھے تھے شاید گزرے وقت کا کوئی لمحہ اسکے ذہن میں بچھی بساط پر کوئی نیا کھیل شروع کردے یا پھر پچھلے تمام مہرے آنے والے مہروں پر سبقت لے جائیں۔ سامنے دیوار پر تمام گھر والوں کا گروپ فوٹو تھا۔ ان سب میں نایاب کا ہنستا چہرہ سب میں نمایاں تھا۔

نایاب کی نگاہ گویا تیز ہوگئی ہو۔

اس کے امی ابو‘ اس کی بہن اف۔۔۔ یہ احساس ہی مر جانے کے لیے کافی تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں تھے۔

اس بھری دنیا میں وہ تنہا تھی اس کائنات میں اب اس کا کوئی نہیں تھا اسے معلوم ہی نہیں ہوا جانے کب سے آنسوؤں کا رکا ہوا سلسلہ یکا یک بہہ نکلا اس سے پہلے پلوشہ آگے بڑھ کر آنسوؤں کو سمیٹتی علی نے روک دیا دل کا غبار بہہ جانے کا یہ سب سے اچھا طریقہ تھا۔ بہت دیر بعد پلوشہ نے اسے سینے سے لگالیا۔

''کتنی بدنصیب ہوں میں پلوشہ میں ان کے ساتھ کیوں نہ مرگئی اب اس دنیا میں کون ہے میرا۔'' اس کے مسلسل آنسوؤں نے علی کے دل پر بجلیاں گرادیں۔

''ہم لوگ ہیں نا تمہارے ساتھ تمہارے اپنے تم کیوں فکر کرتی ہو یہ کائنات ہے اس میں ہر سو دکھ بھی ہیں اور خوشیاں بھی اگر ہم سے کچھ چھن جاتا ہے تو نعم البدل مل بھی تو جاتا ہے۔''

''ماں باپ کا بدل ہوسکتا ہے کچھ۔'' اس کا پورا وجود آنسوؤں میں بھیگ گیا تھا علی نے نگاہیں چرالیں ابھی استحقاق کا کوئی لمحہ بھی تو اس کے پاس نہ تھا۔ وہ ''میں ابھی آیا'' کہہ کر باہر نکل گیا۔

باہر ہر جانب خشک پتوں کا ڈھیر تھا گرد و غبار تھا‘ خزاں رسیدگی کا ڈیرہ تھا علی وہیں

ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ ویرانیوں نے ہر جانب ڈیرہ ڈال رکھا تھا اس گھر میں قہقہے بھی گونجے ہوں گے خوشیوں کی بارش بھی ہوئی ہوگی۔ یہ جو گھر آج ان لوگوں کی وجہ سے بربادی کا مرقد بن گیا تھا چاروں جانب دیکھتا علی آفندی چونک گیا۔

وہاں پر ایک سفید لفافہ پڑا تھا گیٹ پر لاک دیکھ کر ڈاکیے نے شاید اندر پھینک دیا تھا لفافہ کافی پرانا ہوگیا تھا۔ علی نے اٹھا کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا وہ اسلام آباد سے آیا تھا‘ تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر وقت کا تقاضا تھا کہ شاید کوئی سرا مل جائے‘ مگر پھر وہ کھولتے کھولتے رک گیا۔

اس لفافے کو نایاب کو کھولنا چاہیے وہ تیزی سے اندر بڑھ گیا۔

پورے گھر میں گھوم پھر کر وہ لوگ ڈرائنگ روم میں تھیں نایاب کے چہرے پر برسوں کی تھکن تھی۔ پلوشہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

''نایاب۔'' علی نے سامنے رک کر اسے پکارا صوفے سے ٹیک لگائے وہ نڈھال تھی اس کی پکار پر نگاہ اٹھائی۔

''جی۔''

''یہ لفافہ باہر لان میں تھا۔'' علی نے لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔ نایاب نے دھیرے سے تھام کر اسے دیکھا اور پھر لفافہ کھول لیا۔

یہ زندگی کبھی کبھی اجنبی سے لگتی ہے
جدھر جدھر سے اٹھے نظر کمی سی لگتی ہے
بجھی بجھی ہے کہکشاں
دھواں دھواں لگے جہاں
جلائیں ہم کو خوشبو میں
چراغ کی روشنی بھی سانولی سی لگتی ہے

غبار ہے چار سو
لہو لہو ہے آرزو
کبھی گمان کبھی یقین
قدم کہیں نظر کہیں
جو ہوش میں بھی رہیں تو بے خودی سی لگتی ہے

"یہ۔۔۔۔!" اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر علی کو دیکھا' اجنبیت کے تمام رنگ تھے پہچان کا کوئی عکس ہوتا تو تحریر ضرور پہچان لیتی۔

پلوشہ نے خط پڑھ لیا تھا' علی نے اسے تھام لیا ایک نگاہ اس پر ڈال کر سفید کاغذ پر بکھرے سیاہ موتیوں پر توجہ دی۔ لمحہ بھر میں دل بے قراری کی آماج گاہ بن گیا۔ کسی بہت ہی خاص شخص نے اپنے محبوب کو خط بھیجا تھا اظہار یقین کے موتیوں میں پرو کر اور نایاب خالی ذہن تھی۔ محسوسات ہوں تو آگہی بھی خوبصورت لگتی ہے۔

"میں نہیں جانتی کہاں سے آیا ہے۔"

"مگر ایڈریس تو یہیں کا ہی ہے" علی نے لفافہ پلٹ کر دیکھا۔

"مگر!!۔" اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں آرہا" آنسوؤں نے ایک بار پھر راستہ دیکھ لیا' علی نے لفافہ بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"چلو۔۔!۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی یہیں رہوں گی۔" اس نے سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔

"پاگل مت بنو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم لڑکی ہو یہاں اکیلی کیسے رہ سکتی ہو۔" پلوشہ نے ہاتھ تھام لیا۔

"میں ٹھیک ہوں کچھ نہیں ہوا مجھے۔" ضدی سے انداز میں انہیں دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو اٹھو چلو پلوشہ۔" علی کے لہجے میں جانے کیا تھا اسے اٹھنا ہی پڑا' علی آفندی نے اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھا اور پھر دروازے لاک کرنے لگا۔

☆☆☆

"بھائی' یہ خط نایاب کے گھر سے ملا تھا۔" علی نے عمر آفندی کو وہ خط دے دیا۔

"کیا لکھا ہے خط میں۔" عمر نے لفافہ کھولا۔

"پڑھ لیں۔" علی کی بے چینی' بے قراری عروج پر تھی۔

"یہ تو صرف ایک نظم ہے۔" عمر سمجھے نہیں۔

"نظم نہیں ہے بھائی یہ ایک قیمتی ثبوت ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ نایاب کہیں انگیج نہیں ہے۔"

"ہوں!" عمر نے ثانیے بھر کو سوچا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ خط اس کی دوسری بہن کا ہو۔"

"اوہ۔!" علی اندر ہی اندر شرمندہ ہو گیا۔

"اسے کچھ یاد آیا۔"

"نہیں بالکل نہیں بس یہ ہی احساس ہے کہ یہ میرا گھر ہے میرے والدین کا' مجھے ادھر رہنا ہے اسکے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"اس کے بھائی کا کوئی اتا پتا فون نمبر۔"

"نہیں البتہ دیوار پر اس کی تصویریں لگی تھیں دور ہونے کے باوجود اس کے والدین نے یاد رکھا ہوا ہے۔"

"ہوں۔" عمر آفندی پھر کچھ سوچنے لگے۔

"تم صرف اتنا کرو علی کہ اس کا خیال رکھو ہر دوسرے تیسرے دن اسے گھر لے جاتے رہو ہو سکتا ہے اسے کچھ یاد آ جائے' پلوشہ سے کہو اسے اس کی چیزیں دکھائے کوئی حل ضرور

نکلے گا۔" عمر کے لہجے میں یقین تھا۔

"اکبر داؤد کا کیا حال ہے۔"

"اس نے عدالت میں کیس کر دیا ہے نوٹس آیا تھا میرے پاس کل پیشی ہے نایاب کو عدالت لے کر نہیں جانا بس میرا وکیل کہہ دے گا کہ اسکی موکلہ بیمار ہے' عدالت میں پیش نہیں ہو سکتی۔"

"ایسا کب تک چلے گا بھائی۔"

"جب تک اس کے ڈاکٹرز کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے دیتے۔" ہمیں کوئی اطمینان نہیں ہو جاتا۔

"انہیں تاریخ پر تاریخ دیتے رہیں گے۔"

"بہت کائیاں شخص ہے یہ اکبر داؤد۔" یہ علی کی رائے تھی۔

"اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہوگا' دیکھئے گا اس کی ساری چالوں کو مات کر دوں گا جھوٹے کو گھر تک نہ پہنچایا تو میرا نام نہیں ہے۔"

علی کا لہجہ زہر خندہ ہو گیا' عمر آفندی نے چونک کر اسے دیکھا' کچھ تھا جس نے انہیں چونکا دیا تھا علی اٹھ کر باہر نکل گیا۔ عمر آفندی کتنی دیر تک اس کے بارے میں سوچتے رہے۔

☆☆☆

یا تو یہ چپ تیری مجبوری ہے

یا کوئی چور ہے خاموشی میں

وہ لان میں بیٹھی بہت کچھ یاد کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی مگر کچھ بھی یاد نہ آرہا تھا کوئی بھی تو احساس زندہ نہ تھا وہ اس گھر میں اکیلی تھی۔ اس کے والدین بھی بہن بھائی تھے کیا وہ ان کے ساتھ رہتی تھی۔ کوئی سرا ل کے نہ دے رہا تھا۔ سر میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں تھک کر ستون سے ٹیک لگائی ہی تھی کہ لالہ رخ کی آواز نے چونکا دیا۔

"آپ۔۔۔!"

"ہاں میں' حیران ہو گئیں۔"

"نہیں تو۔"

"بہت سوچوں میں گم رہتی ہو۔" وہ بہت دنوں سے موقع کی تلاش میں تھی بلوشہ سائے کی طرح اسکے ساتھ تھی آج جانے کیسے تنہا ادھر آنکلی تھی وہ بس نم آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی' حقیقت سے آگہی بھی تو انہوں نے ہی دی تھی۔

"کسی کا انتظار ہے؟" طنزیہ لہجہ تھا۔

"نہیں تو؟"

"کبھی کبھی انتظار لا حاصل بھی ہوتے ہیں وقت برباد کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہمدردی مہنگی نہ پڑ جائے۔ وہ اونٹ والی کہانی سنی ہے تم نے کہ۔"

ان کی گفتگو بے ربط تھی کسی کے آنے کا ڈر بھی تھا چور ان کے دل میں تھا لیکن یہ مجبوری ان کی بھی تو تھی۔

"پلیز!" اس کا تن من سلگ گیا۔

"میں اس قسم کی گفتگو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اچھا۔۔۔! لگتا تو نہیں ہے کہ تم اتنی معصوم ہو۔"

"کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے۔" اس کی قوت برداشت جواب دینے کی تھی۔

"یہی کہ تم میرا' اس گھر کا' عمر اور علی کا پیچھا چھوڑ دو اس کے لیے تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔" وہ اس وقت انتہائی نچلے درجے پر تھی۔

"کیا۔۔!!" اس کے اعصاب سن ہو گئے۔ اتنی گری ہوئی سوچ اف خدایا۔

"بولو کیا قیمت ہے تمہاری؟"

"عزت نفس سے بڑھ کر کیا قیمت ہوگی' میرے نزدیک کردار اور اخلاق کی بہت

اہمیت ہے مجھے شرمندگی ہے کہ آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے اس قسم کی سوچ میرے لیے موت ہے عمر بھائی مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہیں اور علی۔''

''لیکن میرا شوہر تمہیں محبوبہ کا درجہ دینے لگا ہے بیماری کے نام پر تمہارے سانسوں کی گنتی شمار کرتا ہے۔'' وہ تمہیں......!

''اف۔''اس کی کان کی لویں تک سرخ ہوگئیں''اتنا بڑا الزام''

''میرے متعلق آپ کی غلط فہمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔''

''تو پھر وہ تمہاری طلاق کے لیے کیوں اتنے سریس ہیں' کیوں تم خود اپنے بارے میں فیصلہ نہیں کرتیں تم کیوں خلع لینا چاہتی ہو جب کہ تمہارا شوہر شکل اخلاق تعلیم' نوکری ہر چیز میں ٹھیک ہے کیوں بضد ہیں وہ کہ تم ہر حال میں علیحدگی اختیار کرو۔''

''پلیز۔۔۔پلیز۔۔۔!''اس کی سماعتیں تھک کر نڈھال ہوگئیں۔

''بے شک تم مظلوم ہو' تمہارا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا' ہمارا اخلاقی فرض تمہاری مدد تھا مگر اس کا مطلب تو یہ نہیں کہ تم۔۔۔''وہ چبا چبا کر لفظوں کے تیر برسا رہی تھی۔شل ہوتے اعصاب اور نڈھال ہوتا وجود آخری جملہ نہ سن سکا۔اس کا سر گھوما اور وہ چکرا کر گر پڑی۔

''نایاب' نایاب کیا ہوا ہے تمہیں۔''ہوش آیا تو وہ بی بی جان کے کمرے میں تھی۔

کسی نے بھی لالہ رخ کو نایاب سے باتیں کرتے نہیں دیکھا تھا اس لیے نایاب کی خاموشی کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے۔بی بی جان نے اس پر ڈھیروں آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونکیں۔

''بچے کیوں سوچوں میں خود کو نڈھال کرتی ہو میں ہوں نا آخر۔''

''بی بی جان!''اس نے ان کی آغوش میں منہ چھپالیا۔

''حادثات تو زندگی کا صدقہ ہوتے ہیں میری جان ان کا صبر سے مقابلہ کرنا چاہیے یہ ہی مشیت ایزدی ہے ہم نے تمہیں اکیلا تو نہیں چھوڑا۔''

''آؤ نایاب تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔''اسی پل بلوشہ اندر آگئی۔

''کیا چیز۔''اس نے ستے ہوئے چہرے سے پوچھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''وہ ایک دم پریشان ہوگئی۔

''ہوں!''اس کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔

''جاؤ بلوشہ اسے بہلاؤ جا کر تمہاری کیا مصروفیات ہیں کہ تم نے نایاب کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔''

''بی بی جان میرا خیال ہے کہ نایاب کو اپنے ساتھ ہی اسپیشل کورسز میں ایڈمیشن دلوا دیتی ہوں کچھ سیکھ بھی لے گی اور دل بھی بہل جائے گا۔''

''بالکل کیوں نہیں نایاب۔۔''نایاب کی اپنی سوچیں بہت تھیں جس نے کچھ سوچنے ہی نہیں دیا بلوشہ کے ساتھ باہر آ تو گئی مگر غائب دماغی کا شکار تھی۔''

''مجھے کسی کورسز وغیرہ میں حصہ نہیں لینا۔اس نے صاف انکار کردیا۔

''مگر کیوں! یہ تو آج کل کی لڑکیوں کے لیے بہت ضروری ہے۔''

''مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی ہو؟''آج پہلی بار یوں اس نے کسی چیز سے اختلاف کیا تھا۔

''پھر کیا ضروری سمجھتی ہو؟''بلوشہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''بتادوں گی۔''اس نے سر جھکالیا۔

''نایاب آج کل تم کس کشمکش میں مبتلا ہو' کیا ہوگیا ہے تمہیں عمر بھائی' علی بھائی تمہارے لیے بہت فکرمند ہیں۔''

''میرے بارے میں فکرمند ہونے کیا ضرورت ہے میں اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتی ہوں۔''

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا ہوگیا ہے تمہیں۔''بلوشہ نے حیرانی سے دیکھا۔

"جانتی ہو علی بھائی تمہارے لیے۔۔۔"

"پلیز پلوشہ اس ٹاپک کو مت چھیڑو میں کسی کی منکوحہ ہوں۔"

"کیا کہا۔۔!اس کے جملے نے پلوشہ کو ہونق کر دیا۔"

"اور طلاق یافتہ لڑکی کی اس معاشرے میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔"

"نایاب!"

"پھر یہ میرے والدین کا فیصلہ تھا ہر حال میں قبول ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"تم سب لوگ میرے مسیحا ہو مجھے عزیز ہو لیکن تم ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرو گی نایاب تم میرے بھائی کی ضرورت ہو محبت ہو ان کی' ان بچپن کے رشتے ناتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی"

"مجھے کسی کی خوشیوں پر قابض نہیں ہونا جو اپنے بارے میں خود فیصلہ نہیں کر سکتے ان کے بارے میں کوئی نہیں سوچ سکتا۔" اس کے بعد وہ رکی نہیں اٹھی اور باہر نکل گئی۔ پلوشہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئی۔ یہ یکا یک کایا کیسے پلٹ گئی۔

☆☆☆

یہ لالہ رخ کی گفتگو کا نتیجہ تھا اس کی سوچوں کا اظہار پھر اس کی قوت فیصلہ اس کا لہجہ ترش اور ضدی ہو گیا تھا علی کا محبت بھرا انداز گفتگو پیار بھری نگاہ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگتا تھا۔

اس روز عمر آفندی اس کے کمرے میں آ گئے۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے عمر پر نگاہ مرتکز کر دی بلند قامت گمبھیر لہجہ شاندار پرسنالٹی لباس اور مسحور کن پرفیوم نے خوبصورتی بڑھا دی تھی ان جیسا ڈیشنگ مرد تو لالہ رخ جیسی شاندار گریس فل پرسنالٹی کے ساتھ جچتا تھا یہ ادھر کیوں متوجہ ہو گئے کیا کمی ہیں ان میں۔

"میڈیسن استعمال کر رہی ہو؟"

"جی؟"

"اکیلے مت رہا کرو کیا سوچتی ہو آؤ باہر نکل کر سب کے درمیان بیٹھو اندھی سوچوں سے انسان بیمار ہو جایا کرتے ہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"خود کو اتنا ہلکان مت کرو انشاء اللہ تمہارے حق میں بہتری ہو گا میں پلوشہ کو بھیجتا ہوں" عمر باہر نکل گئے ہمدردانہ لہجہ' سلجھا ہوا انداز کہیں سے بھی تو جھکاؤ محسوس نہیں ہوا تو پھر ایک بیوی نے یہ اطلاع کیوں دی؟ سوچوں کے در کیوں وا ہو گئے۔

"عمر بھائی بھائیوں کی طرح بی ہیو کرتے تھے پھر ان کی سوچ کا انداز ایسا کیوں ہے اتنا بڑا الزام اور علی۔ مگر۔۔۔ مگر بھابھی مجھ سے خوفزدہ کیوں ہیں؟ کیوں ہر بار مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔

ہر بار ہی نئے انداز سے وار کرتی ہیں میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے میں تو خود۔۔۔"

تھک کر اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا میں خود اپنے بارے میں نہیں جانتی میری زندگی میں کتنا بڑا حادثہ رونما ہوا ہے اور میں' مجھے کچھ یاد کیوں نہیں آتا امی' ابو' بہن' بھائی' میری بہن کا کیا نام تھا میں بھائی کا نام تک نہیں جانتی۔ یا اللہ' یا اللہ۔

اس کے حواس جواب دینے کو تھے کہ وہ چونک گئی۔

وہاں گھر میں اسکا گروپ فوٹو موجود تھا' اس میں سب ہی نمایاں تھے۔ پھر پھر بی بی جان نے کیوں چھپایا کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں۔؟ کیوں۔ نئی سوچ نے سر ابھارا۔ سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا جواب سجھائی نہ دیا۔ وہ نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی۔

☆☆☆

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لیے
زمانہ کچھ نہیں کرتا کسی کے لیے

اس رات کی سحر ہوئی تو وہ اپنی زندگی کے بارے میں ایک فیصلہ کر چکی تھی۔ ایسا فیصلہ

جس نے بہت لوگوں شانت کر دینا تھا۔

آجکل بی بی جان اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں ارجمند بانو بھی خیریت پوچھتی رہتیں لالہ رخ اور عمر آفندی کے درمیان تعلقات کی فضا ہنوز سرد سی تھی۔ نہ گرمجوشی رہی تھی نہ محبت عمر آفندی کو مطلق پروا نہیں تھی آجکل وہ سنجیدگی سے اس تعلق کو ختم کرنے کے لیے وکیل سے مشورے لے رہے تھے اور اکبر داؤد کو تاریخوں پر تاریخیں مل رہی تھیں۔

اس روز بی بی جان کے کمرے میں ان کے زانو پر سر رکھے لیٹی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ اسے بہت سی باتیں سمجھاتی جا رہی تھیں۔ جب دروازہ کھول کر عمر آفندی اندر آ گئے پیچھے علی بھی تھا وہ جھجک کر اٹھ بیٹھی دوپٹہ سنبھالنے کی کوشش میں بکھرے بالوں نے وجود کا احاطہ کر لیا۔

"آؤ کیسے ہو عمر؟"

"بالکل ٹھیک دادی جان ذرا نایاب سے کام تھا" ان کے انداز میں جوش تھا۔

"مجھ سے کیا کام ہے۔" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"یہ پیپر ہیں ان پر دستخط کر دو۔" عمر نے بلیو فائل اس کی جانب بڑھائی۔"

"دستخط" اس نے اچنبھے سے دیکھا۔

"کس لیے" اب کے وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"یہ تمہاری جانب سے خلع کے درخواست فارم ہے اس پر ارسلان اکبر کے دستخط ہوں گے یہ ہمارا کام ہے۔"

"عمر بھائی۔" وہ ساکت ہو گئی۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں ممکن کیوں نہیں ہے جو چیز ہم لوگ تمہارے لیے بہتر نہیں سمجھتے کیونکہ اس میں تمہیں ڈھیل دیں۔"

"بی جان۔"

"ہاں بیٹی کر دو۔" بی بی جان نے دھیرے سے اس کا شانہ تھام لیا۔

"نہیں بی بی جان میں دستخط نہیں کروں گی یہ میرے والدین کا فیصلہ تھا جو مجھے ہر صورت میں نبھانا ہے۔" عمر اور علی دونوں ایک ساتھ چونک گئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ ممکن ہے اس لیے کہ میں اتنی صحت مند تو ہو گئی ہوں کہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں میں خود کو ذہنی طور پر نارمل سمجھتی ہوں۔" آنچل سمیٹتے ہوئے اس نے مضبوطی سے کہا۔

"تم کیسے نارمل ہو ڈاکٹرز تک تو تمہارے لیے فکرمند ہیں ابھی تک تم۔۔۔تم۔۔۔۔ خود ابھی تک پچھلے دنوں کی کوئی بات یاد نہیں کر سکی ہو پھر کیسے نارمل ہو تم علی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

جس کے لیے وہ دن رات ایک کیے دے رہا ہے وہ کیا کہہ رہی تھی اس وقت اس کا جسم و جان زلزلوں کی زد میں تھا ذرا سی لغزش اس کی مردانگی کی توہین تھی۔

"اس کے لیے میں بہت کوشش کر چکی ہوں مگر ہر کوشش بے سود ہے اس لیے اب میں صرف آج کے بارے میں سوچ رہی ہوں کل میرا ہے۔ اور یہ فیصلہ میرے والدین کا تھا جسے ہر حال میں میں نے پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔" اس کا لہجہ حتمی صورت اختیار کر گیا۔

"کیا۔۔کیا۔۔۔یعنی ہم لوگ بی بی جان امی بابا بھائی یہ سب تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

علی نے خود پر کنٹرول رکھا عمر آفندی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ اس بات کے پیچھے کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ اور یہ لالہ رخ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

"یہ سب لوگ مجھے عزیز ہیں میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"تم ۔۔تم اتنی بااختیار کب سے ہوگئیں کہ اپنے بارے میں فیصلہ کرسکو۔" بی بی جان گم صم اسکی صورت دیکھے جارہی تھیں' اس کے لیے تو انہوں نے کیا کیا سوچ لیا تھا۔"

"پلیز بی بی جان ان سے کہیں مجھے مجبور نہ کریں وہ جیسا بھی ہے اب میرا نصیب ہے میری زندگی میں اب نہ والدین کی دعاؤں کا دخل ہے نہ ارمانوں کا انہوں نے جانے کس جذبے سے یہ بندھن باندھا تھا اسی لیے مجھے نبھانا ہے اگر آپ میری باتوں سے ہرٹ ہیں تو ایم سوری میں بہت مجبور ہوں ۔" آخری جملے کی ادائیگی نے اس کی پلکوں کو بھگو دیا۔ دھیرے سے جھک کر ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور باہر جانے لگی۔

"جب فیصلہ کر ہی لیا ہے تو یہ پشیمانی کیسی؟" علی کی آواز نے قدم روک دیا۔

"میں پشیمان نہیں ہوں اور نہ شرمندہ۔" لمحہ بھر کو ہی اس نے سر گھما کر بھیگی آنکھوں سے علی کو دیکھا ساتھ ہی ایک آنسو ٹوٹ کر رخسار پر ڈھلک گیا۔ اس کے بعد وہ رکی نہیں باہر نکل گئی۔ کمرے میں سناٹا پھیل گیا۔

"سمجھائیں بی بی جان اس پاگل لڑکی کو۔" بی بی جان تو گویا گم صم تھیں۔

"پلیز عمر بھائی" علی نے کہا۔ اک نگاہ دونوں پر ڈال کر عمر آفندی باہر نکل گئے علی نے سر ہاتھوں پر گرالیا۔ اس کی محبت ایک دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اب کیا ہوگا' وہ تو دل و جان سے اسے چاہنے لگا تھا اب تو درمیان میں کوئی رکاوٹ ہی نہ رہی تھی۔ لیکن لیکن ۔۔۔ یہ نایاب ۔۔۔۔

بغور علی کو دیکھتیں بی بی جان تمام اسرار جانتی جارہی تھیں" وہ نایاب پر زور ڈال کر دیکھیں گی" علی کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے سوچا مگر علی کی سوچیں بھنور بن گئیں۔

"تم تم یہ فیصلہ نہیں کرسکتیں نایاب۔" اس رات بے چینی و بے قراری سے سوچتے ہوئے علی نے اپنی سوچوں پر تسلی کا پھایا رکھا۔

مگر وہ شاید کچھ سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی کسی کے سمجھانے کا اس پر اثر نہ ہوا' اقرار' انکار میں نہ بدلا اس کی ایک ہی ضد تھی اچھا ہے یا برا یہ میرے والدین کا فیصلہ تھا۔

ان لوگوں کی جان سولی پر لٹک کر رہ گئی تھی۔ کسی طرح سے وہ اس کی رخصتی کا فیصلہ کردیں۔ ابھی تو یہ فیصلہ ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ نایاب ہے یا نگین اکبر داؤد کی بہو ہے بھی یا نہیں یا وہ جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے یہ کھیل کھیل رہا ہے۔ کیا دولت اور وہ بھی ناجائز دولت کے لیے اس قدر اثر ورسوخ استعمال کرسکتا ہے پھر اصل حقیقت سے تو نایاب لاعلم تھی۔ اسے کس طرح سے یقین دلایا جائے۔ اور کیا وہ یقین کرلے گی انکی باتوں کا۔" سوچوں کا ایک سلسلہ تھا جو ان سب کے ذہنوں میں در آیا تھا۔

☆☆☆

ایسا لگتا ہے ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتا یاد ہے

نایاب کا فیصلہ اب ضد بن کر رہ گیا تھا اور اس روز سے نایاب بھی کمرے میں بند تھی خود کو اس نے مقید کرکے رکھ لیا تھا' اس روز علی زبردستی کمرے میں آگیا نایاب کھڑی رہ گئی۔

"یہ کیسی آزمائش کی گھڑی کھڑی کردی ہے تم نے۔"

"پلیز علی اتنے جذباتی مت بنو حقیقت سے فراموشی اختیار مت کرو حقیقت اٹل ہے۔" رخ موڑ دلیا۔

"نایاب' جب سب کچھ ختم ہو رہا تھا تو یہ یکایک تمہارا فیصلہ کیوں بن گیا تم تو راضی بہ رضا تھیں پھر منکر کیوں ہوگئیں کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا میں تمہاری محبت میں کتنی گہرائیوں میں اتر چکا ہوں' میرے لیے اب واپس پلٹنا ناممکن ہے' پلیز مجھے کسی آزمائش میں مبتلا مت کرو۔" اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں ۔۔۔"

"پلیز نایاب اتنی سنگین غلطی مت کرو تم اس کے بغیر رہ سکتی ہو مگر میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کا تمہاری زندگی میں صرف نام ہے۔۔نشان تو میں ہوں مجھے مت توڑو۔"

اس نے دھیرے سے ہاتھ ہٹا دیئے۔

"مجھے اور گنہگار مت کریں۔"

"تم بھی کان کھول کر سن لو ایسا کم سے کم میری زندگی میں نہیں ہو سکتا تمہیں ہر صورت میں میری زندگی کی جانب پلٹنا ہے میرا بننا ہے۔" یکا یک اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں نایاب جھجک کر پیچھے ہٹی۔ اس کے بعد وہ رکا نہیں۔ پلٹا اور باہر نکل گیا۔ نایاب گم صم کھڑی رہ گئی یہ کیسی آزمائش وقت اس کی کر رہا تھا۔ فیصلہ کی طنابیں اس کے ہاتھ میں تھیں وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔

علی تو اسے بھی عزیز ہوتا جا رہا تھا لیکن لالہ رخ 'اسکی سوچ' منہ مانگی قیمت اس کے لفظوں کی سنگ باری آج بھی سماعتوں میں زندہ تھی پھر' پھر کیسے وہ اس گھر کو اپنی زندگی کے لیے پسند کر لے وہ بستر پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

علی نے سوچ لیا تھا پہلے محبت سے منائے گا' پھر محبت کا واسطہ دے گا اور پھر بھی نہیں مانی تو سب کچھ سچ سچ بتا دے گا۔ یہ ان سب کے حق میں بہتر ہو گا۔

کسی چیز میں اب دل نہیں لگتا تھا آفس سے نکلتا تو خوامخواہ ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑائے جاتا۔ لفظ و خیال منتشر ہو کر رہ گئے تھے کچھ یہ ہی حال اب عمر آفندی کا ہو گیا تھا۔ ان کے گناہ کی مدت بڑھتی ہی جا رہی تھی نہ سزا مل رہی تھی اور نہ جزا ذہن دل سوچوں کا مرکز بن گیا تھا وہ تو سچ مچ نایاب سے محبت کرنے لگے تھے یہ ہمدردی محبت میں کب بدلی احساس ہی نہ ہوا ہاں یہ۔۔۔ پہلی محبت کینچلی بدل کر شکوک کے ساتھ دل سے نکلتی ہے تو محبت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے۔

محبت امر نہیں ہوتی
اب محبت باربار ہوتی ہے
جو دلوں کو سیراب کرتی ہے
کسی ہمدرد کی صورت
گزر جاتے ہیں سارے فاصلے جب دل کی بستی سے
فضا میں تیرتی ہے دیر تک
یہ گرد کی صورت
محبت درد کی صورت

ہاں ان کے دل کی اولین شبیہ جو انہوں نے محبت سے لے کر قلب میں ڈھالا تھا اب درد کی صورت تو اختیار کرتی جا رہی تھی اداسی بن کر رہ گئی تھی۔ خواب ہو گئی تھی اب تو لالہ رخ کی صورت دیکھے ہوئے بھی جانے کتنے ماہ و سال ہونے کو تھے۔ دل ہی نہیں چاہتا تھا محبت سے اٹھا کر دل میں بٹھائی ہوئی عورت اگر اپنا مقام کھو دے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کا مقام نہیں دلا سکتی تھی۔

لالہ رخ جو اپنے انجام سے بے خبر تھی اسے اپنے مقام کا تعین نہیں رہا تھا محبت نفرت میں بدل کر آگ کی صورت اختیار کر کے راکھ ہو گئی تھی۔ اور راکھ کا مقدر کیا ہوتا ہے۔

کھو گئی مل گئی وقت کی دھول میں
وہ محبت جو لگتا تھا فانی نہیں

"یہ کس بات پر اتنا سوچا جا رہا ہے۔" آہٹ پر آنکھیں کھولیں۔ سامنے لالہ رخ کھڑی تھی اسی چہرے کے ساتھ جس پر وہ فریفتہ ہوئے تھے دیوانہ وار اور اب۔۔۔۔عمر نے بیزاری سے آنکھیں بند کر لیں۔

"خود کو تھکانے سے کیا فائدہ۔ اسے اس کے گھر پہنچا کیوں نہیں دیتے۔"

"لالہ رخ۔" عمر کے اعصاب چٹخ گئے۔

"تم حقیقت سے بے خبر نہیں ہو۔"

"کر دو اُسے باخبر" طنزیہ لہجہ تھا۔

"یہ تمہاری دردسری بھی نہیں ہے۔"

"کیوں کیا آپ سے میرا تعلق۔" دھیرے سے پاس بیٹھ کر محبت سے ہاتھ تھام لیا۔

"کوئی نہیں ہے کیا۔"

"کاش یہ لفظ شکوک میں ڈھل کر ادا نہ ہوتے۔"

کاش!............

اس عورت کا محبت بھرا روپ نا بدلتا۔ عورت مرد کو صرف محبت و چاہت اور دیوانگی سے جیت سکتی ہے کروفر سے سر اٹھائی عورت مرد کو چار دیتی ہے۔ حسن صورت چند روزہ ہے۔ محبت مرتی نہیں۔ کردار و سیرت امر رہتے ہیں۔ مگر۔

عمر آفندی نے دھیرے سے نگاہ پھیری۔ دل بھر گیا تھا۔

"تمہارے رویے۔ تمہارے سلوک نے ہمارے درمیان بہت دوریاں پیدا کر دیں.....اور

اٹھ کر دریچے کے پاس چلے گئے۔

"یہ دوریاں نا تم ختم کرنا چاہتی ہو اور نا میں بہتر یہ ہے کہ ہم کوئی فیصلہ کر لیں جو دونوں کے حق میں بہتر ہو....."

عمر!.....لالہ رخ ساکت رہ گئی۔

ایسی تلخ۔ ترش' مجبوری کی زندگی گزرنے کا کیا فائدہ۔ ابھی وقت اور زندگی دونوں ہماری دسترس میں ہیں اور ہم بہتر انداز میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے عمر میں بے گھر در کی لڑکی کو شب خون مارنے کی اجازت نہیں

دونگی۔ میں ایک طوفان کھڑا کر دونگی۔

"اس طوفان کا کیا فائدہ جس کا کوئی سرا مجھ تک نہیں پہنچتا۔ اس رشتے کو توڑنے میں پہل تم نے کی تھی رویہ تمہارا بدلا تھا۔ لہجہ تمہارا تلخ ہوا تھا۔ اخبار اٹھاتے ہوئے ترچھی نگاہ اس پر ڈالی اور بیڈ پر بیٹھ گئے۔

عمر...... بے ساختہ اس کی جانب بڑھی۔

اگر میں محبت میں روڈ ہوتی ہوں تو تمہاری وجہ سے تم پہلے بدلے تھے۔ تم نے مجھے یہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ تمہاری توجہ تمہاری محبت میں کمی نے اسی سطح پر پہنچا دیا میں کسی کو اپنا گھر اجاڑنے کی اجازت نہیں دونگی۔

علی سر اٹھا کر بپھری ہوئی ہرنی کو دیکھنے لگے۔

اور۔ وہ لڑکی......وہ لڑکی تو قطعاً نہیں' میں اُسے............

لالہ رخ............!!............تم نے آگے ہی اُس کے ساتھ بے حد برا کیا ہے۔

"وہ مجبور' لاچار......بیمار وجود ہے اُس سے دشمنی مت کرو....."

"اُس لڑکی نے میری زندگی میں آگ لگا دی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دشمنی مت کرو ..... انہہ۔"

عمر آفندی نے اُسے دیکھا۔ اور بولے تو ان کا لہجہ سرد تھا۔

"تم اس وقت کیا چاہتی ہو۔"

"میں جو چاہتی ہوں بتا کر آس نہیں لگایا کرتی۔" عمر آفندی چونک کر اسے دیکھنے لگے گویا انکا شک درست تھا۔

"تم نے جو کرنا تھا کر لیا میں جو کروں گا وہ بھی تم دیکھنا۔' ان کا لہجہ زہر خند ہو گیا لمحہ بھر کو اب اس عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا"

"کیا اچھا نہیں کیا۔" لالہ رخ نے کمال معصومیت سے انہیں دیکھا۔

"یہ ہی کہ تم۔۔۔"

پلیز عمر ایسی کوئی بات مت کیجئے میں نے کچھ ایسا نہیں کیا میں محبت میں ہاری ہوئی عورت ہوں اور کچھ بھی کر سکتی ہوں۔" یک لخت اس کا انداز بدل گیا کتنے دن ہو گئے تھے ان کے درمیان سے محبت کو رخصت ہوئے۔

"تم بھی کان کھول کر سن لو لالہ رخ بیگم میں محبت میں ہارا ہوا شخص ہوں اور ہارا آگ ہوتی ہے آگ ہر شے کو خاکستر کر کے راکھ بنا دیتی ہے۔"

اس کے بعد وہ رکے نہیں اور لالہ رخ سائیں سائیں کرتے سناٹے میں ہونق بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔



یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں اک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی
کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا آوارگی
یہ درد کی تنہائیاں یہ دشت کا ویران شہر
ہم لوگ تو اکتا گئے تو اپنی سنا آوارگی
اک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا میرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر میں نے لکھا آوارگی

"چھوٹے بابا باہر گاڑی میں کچھ لوگ ہیں۔"

وہ جو بڑے انہماک سے اپنے پسندیدہ شاعر کا مجموعہ کلام پڑھ رہا تھا چونک پڑا سامنے چوکیدار تھا۔

"کون ہے؟" اس نے ان کے آخر میں بنے سیاہ گیٹ کی جانب دیکھا۔ یہ کارڈ دیا ہے وہ نایاب بی بی سے ملنا چاہتے ہیں۔

"کیا!" کتاب گرتے گرتے بچی، اس نے جھٹکے سے کارڈ تھام لیا سیاہ رنگ کے کارڈ پر سنہری حرفوں سے لکھا تھا ادریس علوی اسکی ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔ تیزی سے وہ گیٹ کی جانب دوڑا۔ اور گیٹ کھول دیا سیاہ مرسڈیز ان کے گیٹ کے آگے کھڑی تھی۔ فرنٹ ڈور

سے ٹیک لگائے شاندار سی پرسنالٹی کا لڑکا کھڑا تھا۔ برابر کی سیٹ پر گریس فل سی خاتون بیٹھی تھیں۔ بیک ڈور کھول کر ایک اور لڑکا باہر نکل گیا ساتھ ہی تیسری شخصیت نے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔

''جی!''

''السلام علیکم! میرا نام افواد علوی ہے۔'' اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''وعلیکم السلام''

''یہ میرے فادر ہیں ادریس علوی یہ بڑے بھائی ہیں جواد علوی۔

اس کا رواں رواں ان لوگوں کو دیکھ کر لرز رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ تھا ضرور دل بے چینیوں میں گھر گیا۔

''مجھے علی آفندی کہتے ہیں آپ کو کس سے ملنا ہے؟''

''بیٹے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم لوگ ڈرائنگ میں بیٹھ کر بات کر لیں۔''

ادریس علوی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گمبھیر لہجے میں کہا۔

''اوہ 'شیور' کیوں نہیں۔'' علی نے خوش اخلاقی سے کہا اور انہیں اندر لے آیا۔ تینوں کے چہروں پر سنجیدگی تھی۔

آج ویک اینڈ تھا اس لیے عمر آفندی اور بابا بھی گھر تھے انہیں بھی ڈرائنگ روم میں بلوالیا اور سب کا تعارف کروایا۔ ڈرائنگ روم کی فضا میں سناٹا تھا اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود۔

''جی آپ اپنے آنے کا مقصد بتایئے۔'' عمر آفندی نے باوقار انداز میں کہا۔

''مجھے ادریس علوی کہتے ہیں اسلام آباد میں رہائش ہے فیروز نظامی کا جگری دوست ہوں۔''

''اوہ!'' سب چونک گئے۔

''مجھے ایک دن پہلے ہی اس حادثے کی اطلاع ملی ہے پہلی فرصت میں آیا ہوں دیر اس لیے ہوگئی میرے بیٹے جواد کا ترکی میں ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا ہم لوگ وہاں تھے ماشاء اللہ اب وہ صحت مند ہے تو ہم اور ہماری پوری فیملی واپس آئی۔ سب سے پہلے پاکستان واپس آ کر ہم نے فیروز نظامی کو کال کی اس کے منیجر نے جو کچھ بتایا وہ ناقابل یقین تھا۔ یہ کیسے ہوگیا؟ کیسا بدنصیب قافلہ تھا جو خوشیوں میں مہکتے ہوئے نکلا تھا اور گھر ہی نہیں پہنچ سکا۔''

ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو پھسل کر رخساروں پر بہہ نکلے یہ ان کی سچی دوستی تھی۔ انہوں نے رومال نکال کر آنکھیں صاف کیں علی بغور انہیں دیکھ رہا تھا کہیں فراڈ تو نہیں ایک نیا دھوکا تو نہیں ہو رہا ان کے ساتھ مگر اکبر داؤد اور ان صاحب کے انداز و اطوار نشست گفتگو اور لہجے میں بہت فرق تھا۔ ان کی شخصیت خود کہہ رہی تھی کہ یہ جھوٹ نہیں ہے۔

''بس جی خدا کے کاموں میں کس کا دخل ہے۔ معلوم نہیں یہ حادثہ کیسے ہوگیا؟ حادثات تو ہو جایا کرتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بس کیسے ہوتے ہیں۔'' بابا جان کا لہجہ حزن میں مبتلا تھا۔ سب اداس ہوگئے۔

''منیجر بتا رہا تھا کہ فیروز کی ایک بیٹی زندہ ہے کیا ہم ان سے مل سکتے ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں ضرور ضرور'' شہباز آفندی نے کہا۔

''بابا جان!'' عمر آفندی انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

''کیوں کیا ہوا۔'' علی کی طرح افواد علوی کی بھی سب پر نظر تھی کہ کہیں وہ لوگ دھوکا تو نہیں دے رہے۔

''وہ اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کسی سے مل سکیں۔''

''کیا مطلب!'' سب نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

''دراصل وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہیں اس حادثے سے اور اس سے پہلے کی زندگی کے

بارے میں انہیں کچھ یاد نہیں ہماری ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔''

''مائی گاڈ؟'' انہوں نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

''ہمارے پاس ان کے کسی رشتہ دار واحباب کا کوئی ایڈریس وغیرہ نہیں تھا کہ اطلاع دی جاسکتی اس لیے وہ ہمارے پاس ہی ہیں۔''

''کیوں!'' کیا کہیں حادثے کے ذمہ دار آپ لوگ تو نہیں۔''

''جی'' عمر آفندی نے سر جھکا لیا'' لیکن ہم لوگ اس عظیم نقصان کی تلافی کفارے ہر سزا کے لیے تیار ہیں۔''

''مرنے والوں کا ہرجانہ کیا ہوگا۔۔۔ حادثہ کیسے ہوا تھا۔''

جواب میں عمر آفندی نے ساری تفصیل بتادی۔

''ہم نایاب سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''مگر وہ پہچانے گی ہی نہیں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا' کیا اب ہم ملیں بھی نہیں۔'' ادریس علوی نے طنزیہ کہا۔

''نہیں ہمارا یہ مطلب نہیں ہے دراصل اب ہم نایاب کو کسی کے سامنے نہیں لانا چاہتے۔''

''وہ کیوں ہمارا اس سے رشتہ ہے' نگین میرے بیٹے کی منگیتر تھی۔''

''کیا!'' سب چونک گئے۔

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے ہم ثبوت بھی ساتھ لائے ہیں یہ تصویریں منگنی کی یہ مووی۔'' افواد کے ہاتھ سے لفافہ ادریس علوی نے ٹیبل پر رکھ دیا۔

علی نے البم نکال لی' کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہ تھی وہ کسی منگنی کی تصویریں تھیں' نایاب ان میں نمایاں تھی۔

''یہ مووی بھی دیکھ کر تسلی کرلیں۔''

''بات صرف اتنی ہے ایک اور شخص بھی اس بات کا دعویٰ کررہا ہے کہ فیروز نظامی کی بیٹی اس کی بہو ہے اس کے بیٹے کی منکوحہ بچپن میں نکاح ہوگیا تھا۔'' ''کیا!'' وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

''بچ جانے والی لڑکی کو کبھی بڑی بیٹی کہتا ہے کبھی چھوٹی اب اس نے ہمارے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کردیا ہے ہم نے اس کی بہو کو حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔''

''اوہ!'' ان کے چہروں پر بھی تفکر نمایاں تھا۔

''ہمیں اپنی سزا اور اس کی پہچان کے لیے شناخت چاہیے تھی مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ یہ کام ضرور انجام دیں گے۔''

''ہم سزا دالے کون ہیں سزا وہی دے گا جو جزا دیتا ہے ہمیں نایاب کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔''

یہ بتایئے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی نایاب ہے نگین بھی ہوسکتی ہے۔'' علی نے سوچوں سے نکل کر سوال کیا۔

''خدا کرے ایسا ہو مگر کل منیجر نے بتایا تھا کہ ایک لڑکی بچی ہے جس کا نام نایاب ہے اور دیکھنے پر واضح ہوگا کہ وہ نایاب ہے یا نگین۔''

''پلیز آپ بلوایئے'' ادریس علوی کا سنجیدہ اور بردبار انداز کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ یہ دھوکا اور فریب ہے کمرے میں گہرا سناٹا تھا سب اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

''یہ کچھ لوگ ہیں جو تم سے ملنا چاہتے ہیں۔'' باہر علی کسی سے کہہ رہا تھا سب دروازے کی جانب دیکھنے لگے پہلے علی اور پھر سر پر دوپٹہ لیے نایاب اندر آئی۔ ادریس علوی افواد اور جواد اسے دیکھے گئے اس کی نگاہوں میں پہچان کا کوئی رنگ بھی نہیں تھا۔ وہ نایاب ہی تھی۔

''نایاب بیٹی!'' ادریس علوی نے آگے بڑھ کر اسے شانے سے لگا لیا۔ نایاب سوالیہ

نظروں سے بابا جان عمر آفندی اور علی کو دیکھنے لگی۔

"یہ تمہارے پاپا سے ملنے آئے تھے' انہیں اب معلوم ہوا ہے۔" بابا جان نے بتایا۔

اس نے گہرے رنج و ملال کے احساس سے سر جھکا لیا۔

"صبر بیٹا صبر یہ ہی مشیت ایزدی تھی۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ افواد تو ابس ساکت ہی تھا یہ گلاب چہرہ' ستارہ آنکھوں والی لڑکی تو نہ تھی مسکراہٹ تو اس کے چہرے کا خاصا تھی مخصوص چمک ندارد تھی گم صم سی سوچتی ہوئی خیالوں میں گم۔

"نایاب یہ تمہاری بڑی بہن کے منگیتر' جواد ہیں۔" بغور اس کے حواسوں کا جائزہ لیتے ادریس علوی نے کہا۔

"یہ افواد ہے جواد کا چھوٹا بھائی۔" وہ گویا غائب دماغی سے انہیں دیکھ رہی تھی ادریس علوی اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے اور وہ چپ تھی۔ یاد کا کوئی سرا بھی اس کے ہاتھ نہ آرہا تھا۔

"بیٹا بیٹا!" ادریس علوی نے پیار سے پکارا۔ وہ چونک کر ان کی جانب متوجہ ضرور ہوئی مگر شناسائی کا کوئی احساس نہ جاگا۔ بس غائب دماغی سے ان سب کو دیکھتی رہی جو اس سے ملنے نہیں آئے بلکہ کسی اور کام سے آئے ہوں کسی اور سے مطلب ہو اس کا چونکنا ان سب کو متوجہ کر گیا۔

کافی دیر بعد وہ ان سے اجازت لے کر اندر چلی گئی۔

"یہ حال ہے آپ نے دیکھ لیا۔"

"ہوں!"

"انکل میں تھوڑی سی کوشش کر سکتا ہوں اس کی یادداشت کے سلسلہ میں۔" افواد شہباز آفندی سے مخاطب ہوا۔

"کیوں نہیں بیٹا' تم لوگوں کا تو قریبی اور قلبی تعلق محسوس ہوتا ہے پھر ہم سب کی تو

خوشی اسی میں ہے ہم لوگوں نے تو ہر طرح کی کوشش کر لی اس کے پرانے گھر بھی لے گئے اسے مگر گم صم سی کیفیت ہو جاتی ہے گویا گہری نیند میں ہے ہم سب کی خواہش ہے اس طویل نیند سے جاگے تاکہ ہم لوگ بھی سزا و جزا کے پل صراط سے گزریں۔"

"ٹھیک ہے انکل میں کل آؤں گا۔" افواد نے کہا تو علی نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"آپ فکر نہ کریں آفندی صاحب انشاءاللہ نایاب ٹھیک ہو جائے گی اور ہم سب اس سیٹھ سے بھی مل لیں گے جس کے دل سے خدا ترسی رحم' وانصاف سب کچھ مفقود ہو گیا ہے۔

"انہوں نے تسلی دی۔ اور۔ مزید کہنے لگے۔

نایاب کی منگنی نہیں ہوئی بہت اچھی سلجھی ہوئی شوخ و شریر بچی تھی بڑی فکر تھی باپ کا بازو بننے کی بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی۔ فیروز نظامی خود بھی ایک اچھا انسان تھا ہماری دوستی بہت پرانی تھی ان کا ایک بیٹا بھی ہے امریکا میں ہوتا ہے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

بہت دیر تک بیٹھے وہ لوگ نایاب کے متعلق باتیں کرتے رہے پھر افواد نے مووی لگا کر دکھائی جواد اور نگین کی منگنی کی مووی ہر جگہ نایاب نمایاں تھی اپنے خصوصی ڈریس اور بے ساختہ مسکراہٹ سے علی کا دل جیسے کس نے مٹھی میں لے لیا۔

اسکرین پر افواد کی نگاہیں دور دور سے ہی بس مسلسل نایاب کا احاطہ کر رہی تھیں اس کے سینے میں ہیول اگنے لگے۔ اور علی کے وجود میں تیز ہواؤں کا شور تھا۔

دوسرے دن افواد مقررہ وقت پر آ گیا علی گویا اس کے انتظار میں ہی تھا عجیب سی خلش عمر آفندی کے دل میں بھی جاگ گئی تھی۔

"نایاب کل والے لوگ آئے ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نایاب خالی ذہن۔ رسالہ گود میں رکھے ورق..... ورق پلٹ رہی تھی سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے علی کو دیکھنے لگی۔ سلیقے سے بنے بال آج بے ترتیب سے ہو کر پیشانی پر

بکھرے تھے۔آنکھوں میں شوق چمک کے بجائے اک متوحش سی لہر تھی۔ پریشانی چہرے سے ہویدا تھی۔

! کیوں۔!!!......اُس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی لہر نہیں تھی۔

اس لئے کہ وہ تمہیں اچھی طرح سے جانتے ہیں تم تمہارے گھر والوں کے مطابق۔......''علی اُس کے سامنے دونوں کہنیاں گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ ہوسکتا ہے تمہیں سب کچھ یاد آجائے۔

''م۔مگر مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔......''میگزین بند کر کے بے چینی سے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر الجھے انداز میں کہا۔

''تم ان سے ملو......گی تو شاید سب یاد آجائے گا۔''

علی!......زدرنج سے انداز میں اُسے پکارا......

اُسکا وجود اس انداز میں سراپا سماعت بن گیا۔

ارد گرد یہ بھی ان لوگوں کی طرح۔ ہوتے۔تو

نایاب! مت گھبراؤ' ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔

اُس نے آنکھیں پھیر لیں۔

آؤ!......کھڑا ہوا......

کچھ تذبذب کا شکار ہو کر کھڑی ہوگئی اس وقت بی بی جان بھی اندر آ گئیں۔

جاؤ بیٹا!......یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔ اس کو شانے سے لگالیا۔

اور اُن کے گلے لگ کر پناہ گاہ کی طرح انھیں بھینچ لیا۔

بی بی نے اس کے سر کا بوسہ لیا۔ شانہ تھپک کر اُسے علیحدہ کیا۔

علی کمرے سے باہر نکل گیا۔

علی کے ساتھ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔

افواد اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

اسلام علیکم!

اُس نے سر کی جنبش سے جواب دیا اور سامنے بیٹھ گئی۔ اجنبیت کے تمام رنگ اُس کی آنکھوں سے عیاں تھے۔ تاسف افواد کی آنکھوں میں ہلکورے لینے لگا۔

میرا نام افواد ہے۔ کہتے ہوئے وہ نایاب کے سامنے بیٹھ گیا۔

'نایاب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''علی نے کس دل کہا یہ وہی جانتا تھا۔

''کیوں!'' آج بھی اس کی آنکھوں کا رنگ اجنبیت لیے ہوئے تھا۔

''میرا نام افواد ہے اور میں آپ کی بہن نگین عرف ٹینا کے منگیتر کا چھوٹا بھائی ہوں۔''

وہ اک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''کیا پہچانا نہیں' 'افواد نے مایوسی سے کہا۔ نایاب نے چند لمحوں بعد سر اٹھایا۔

''مجھے خوشی ہے افواد صاحب آپ میری بہن کے رشتے سے مجھ سے ملنے آئے لیکن میں خود کو بھولی ہوئی داستان کا حصہ سمجھتی ہوں جس کا ماضی بھولی بسری داستان ہو۔ یاد کا کوئی لمحہ میری مٹھی میں نہیں۔''

افواد نے دھیرے سے سفید پھول اس کی جانب بڑھایا۔ وہ بے معنی انداز میں دیکھتی رہی علی تو بس اندر ہی اندر جل گیا اس انداز پر۔

''یہ آپ کے لیے' پھول خلوص کی نشانی ہوتے ہیں اور سفید پھول تو ویسے بھی وفاداری خلوص' محبت کا درس دیتا ہے۔'' نایاب نے کسی احساس کے بغیر پھول تھام لیا۔

علی اندر بڑھ گیا۔ افواد نے بغور جائزہ لیتے ہوئے از خود کوئی کوشش نہیں کی' بلکہ تھوڑا سا گریز اختیار کر لیا اس کے گھر والوں کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ اس کی کوشش تھی کہ ٹینا خود سوال کرے۔ وہ موسم' رنگ وغیرہ کی باتیں کرنے لگا' اپنے بارے میں بتایا۔ ان دونوں

کی گفتگو میں اگر چہ دلچسپی کا رنگ آ گیا تھا افواد نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ نایاب کے وجود میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا وجود بے چین ہو گیا تھا۔

وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر جھجک مانع تھی۔

"میں چلوں!" ایک دم ہی افواد کھڑا ہو گیا۔ "کل ملاقات ہو گی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" افواد نے ساتھ ہی علی سے ہاتھ ملایا اور الوداعی نگاہ اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا اور سارے لفظ نایاب کے اندر رہ گئے۔ علی نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر نایاب کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں" اس نے سر جھکا لیا۔

"کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو۔"

"بہت کوشش کرتی ہوں مگر سب بے سود"

(کاش' کاش اسے کچھ یاد آ جائے اور اس کا دل آباد ہو جائے) علی نے خاصی خود غرضی سے سوچا۔ واقعی محبت کا ایک روپ خود غرضی کے لبادے میں بھی لپٹا ہوتا ہے۔

یہ تو ثابت ہو گیا کہ اکبر داؤد ایک جھوٹ ہے اب جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانا تھا۔

"اس نے تمہیں منگنی کی تصویریں دکھائیں" تمہاری بہن کی۔

"نہیں۔" تعجب سے دیکھا' کیا ساتھ لائے تھے۔

"اچھا۔۔۔!" اب کے علی حیران ہوا۔ جانے کیوں عجیب سا لگا۔

"جب لے کر آیا تو دکھائیں کیوں نہیں۔"

خود نایاب بھی ایک مخمصے میں تھی یہ کیا ہوا' میری بہن کا دیور تھا تو مجھے کچھ یاد دلانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ایک بار پھر وہ چونک گئی ان کو تو میرے نکاح کا علم ہو گا وہ کہہ رہے

تھے کہ انکل ابو کے بہت اچھے دوستوں میں سے تھے۔ اچھے دوستوں کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ وہ علی سے کہے گی ان سے ضرور پوچھے بلکہ علی کو یاد دلا دے گی اسے افواد کا بے چینی سے انتظار تھا مگر وہ اگلے تین دن نہیں آیا اور اس کے پیروں میں بھنور بندھ گئے۔ انتظار آنکھوں میں آن بسا علی سب کیفیت نوٹ کر رہا تھا یہ اضطراب اپنوں کے بارے میں جاننے کا تھا افواد اسے اسکا کوئی رشتہ تو نہیں' کوئی انسیت ومحبت والا' ایسا نہ ہو کہ وہ بیچ منجدھار میں کھڑا رہ جائے۔

ادھر علی کی طرح سے عمر بھی مضطرب تھے کہ اب کیا ہوگا؟ شہزاد ساری صورت حال سے باخبر تھا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اس کی یادداشت واپس آ جائے گی۔"

"بات یہ ہے کہ ہم لوگ بی بی جان اُسے بتا چکے ہیں وہ ہم میں سے ہے ہمارے چچا کی بیٹی ہے اب جب اسے معلوم ہوگا کہ اس گھر سے ہم لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہم لوگ مجرم بھی ہیں اس کی خوشیوں کے' رشتوں کے جذبوں کے تو اس کی کیا حالت ہوگی' کتنا گنہگار اور مجرم سمجھے گی ہم لوگوں کو"

"تم لوگ مسیحا بھی تو ہو۔" شہزاد نے تسلی دی۔

"کیا ہم لوگوں کو معاف کر دے گی۔ میں نے تو کیا سوچا تھا سب کچھ بدل گیا ہے۔"

"خدا سے اچھی امید رکھو عمر انشاءاللہ کچھ برا نہیں ہوگا' اچھا ہے اس کی یادداشت ٹھیک ہو جائے اور تم بھی اس مخمصے سے نکل آؤ کہ اب کیا ہوگا حقیقت کو آنکھیں کھول کر فیس کرو آخر کو یہ ہونا تھا۔"

لالہ رخ اسی نئی کہانی پر حد درجہ حیران تھی۔

"اتنی سی لڑکی کے کتنے دعویدار آ گئے' ہاں بھئی ہو سکتے ہیں' جب لڑکی خوبصورت ہو اور مظلوم بھی تو ساری دنیا کا دل چاہے گا رشتہ باندھ لیں اوپر سے دولت علیحدہ خوبی ہے۔"

اس کا انداز طنزیہ تھا۔

''پلیز بھابھی آپ کی سوچ کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔''

پلوشہ نے اس کے طنزیہ انداز اور لہجے کو سکون سے برداشت کیا۔

''وقت نے اسکی آزمائش کی ہے وہ ایک اچھے خاندان کی اچھی لڑکی ہے آپ کو کیا پرخاش ہے۔''

''مجھے۔۔۔ مجھے۔۔۔'' لالہ رخ تڑپ گئی۔

''یہ تم نہیں جان سکتیں پلوشہ کہ کیا دکھ ہے مجھے تم جان بھی کیسے سکتی ہو تم نے محبت نہیں کی' بغاوت نہیں کی مگر میں نے محبت بغاوت کر کے حاصل کی ہے اور مجھے ہر حال میں اس کو اپنے تک رکھنا ہے' میں مذاق نہیں اڑوا سکتی اپنا کہ میرا فیصلہ غلط ہے۔ میں عمر میں شیئر برداشت نہیں کر سکتی۔'' ان کی آنکھیں بھرا گئیں۔

''یہ تو کوئی عورت بھی برداشت نہیں کر سکتی عمر نے اس کی وجہ سے مجھے نظر انداز کر دیا ہے میں کچھ پوچھ نہیں سکتی ان سے کہ اب یہ ان کا فیصلہ ہے اگر اکبر داؤد جھوٹا فریبی' مکار' دھوکے باز ہے تو وہ ہر صورت میں اس لڑکی کو بتا دیں گے اور شادی کر لیں گے۔''

''کیا۔۔۔!!'' پلوشہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے۔

''تم اس عورت کا دکھ نہیں جانتیں میری جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں میں تلخ نہ ہوں تو کیا کروں' میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کا گلا دبا کر خون پی جاؤں اسے مار دوں۔'' یکا یک وہ جذباتی ہو گئیں۔

''بھابھی۔۔'' پلوشہ نے دھیرے سے انہیں پکارا۔

''میں آپ کی جگہ ہوتی تو پتا ہے کیا کرتی اپنے دل میں شک و شبہ پیدا ہونے ہی نہ دیتی۔ اپنے باطن کو صاف، کھرا، سچا' ریاکاری سے مبرا رکھتی۔ جہاں شک و شبہ ہوتا ہے وہاں سے محبت راہ فرار اختیار کر لیتی ہے۔'' شک مرد کو باغی کر دیتا ہے۔ انہوں نے ساری

دنیا سے لڑ کر آپ کو حاصل کیا ہے محبت تھی نا آپ سے تو پھر آپ نے ایسے حالات کیوں پیدا کئے۔ محبت میں آپ کا دل تنگ کیوں ہو گیا' محبت کا دائرہ سکیڑ کیوں دیا۔ محبت کے تو بہت وسیع پیرائے ہیں' اور محبت مرد جب حاصل کر لیتا ہے تو پھر چھوڑنے میں دیر بھی نہیں لگاتا عورت' وفا اعتماد و ایثار' یقین سے محبت کو اپناتی تو ہے اور شک ساری چیزوں کو دریا برد کر دیتا ہے۔ تو پھر شکی وہمی کیوں ہو جاتی ہے۔

محبت کو آپ قید کریں گی تو وہ پھڑ پھڑا کر اڑنے کے لیے بے تاب رہے گی آزاد چھوڑیں گی تو جہاں بھی جائے گی آپ کے پاس واپس ضرور آئے گا' وفا شرط ہے۔''

''پلوشہ۔'' لالہ رخ نے حد درجہ حیرانی سے اسے دیکھا۔ کس قدر گہرا اور عمیق تجربہ تھا اس کا اتنی چھوٹی سی عمر میں۔

''م۔۔۔مگر میں۔۔''

''دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے سے بہتر یہ ہے کہ انسان خود اپنی ذات کا احاطہ کرے اپنے گریبان میں جھانکے اپنے خیالات' جذبات سوچ کا محاسبہ کرے تو غلطیاں کبھی نہیں ہوں گی' محبت امر بھی تو ہوتی ہے' انسان خود کو بدل لے تو حالات بھی بدل جاتے ہیں۔ خدا آپ دونوں کی جوڑی کو سلامت رکھے بھائیوں کے گھر آباد اچھے لگتے ہیں۔''

''پلوشہ۔۔'' لالہ رخ نے دلاسے پر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا' اور اگر ہوا بھی تو علی کے ساتھ ہوگا'' اس نے مزید تسلی دی۔

لالہ رخ کے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔

''بہت دن ہو گئے آپ دونوں کو اکٹھا مسکرائے ہوئے اپنے کمرے کی زنگ آلود بدبودار فضا کو دریچے کھول کر بھگا دیں۔ ساری کثافتوں کو اپنی محبت کی پھوار سے دھو دیں خوشیاں آپ کے ساتھ ہیں۔'' اس نے محبت و شرارت سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''اس کا فلسفہ محبت و زندگی کس قدر صحیح بہتر تھا۔'' مگر مجھے لگتا ہے پلوشہ وہ اولاد کے

لیے ضرور شادی کر لیں گے۔'' اُس کے دل میں خدشات تھے۔

''مرد کے نصیب سے اولاد ہوتی ہے اگر بھائی کے نصیب میں اولاد ہے تو آپ سے ہی ہوگی ورنہ کسی سے بھی نہیں۔'' بس دھیرے دھیرے ان کو سنبھال لیں۔''

پلوشہ نے رسان سے سمجھایا بجائے یہ کہ اس جیسی عورت الزام تراشی پر اترتی اسکے دھیمے انداز پر سمجھتی رہی پھر اس سے پہلے اس انداز میں سمجھایا کس نے تھا۔

''خدا تمہیں سلامت رکھے پلوشہ تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔''

لالہ رخ نے اسکا رخسار چوم لیا۔

''تھینک یو مگر میری باتوں پر عمل ضرور کیجئے گا۔'' وہ مسکائی۔

''کروں گی ضرور کروں گی مگر کل سے۔''

''کیوں آج سے کیوں نہیں۔''

لالہ رخ اس کے انداز پر بے اختیار مسکرا دی۔

''چلو آج سے ہی سہی۔'' دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر کھلکھلا دیں۔

''کام مشکل تو ہے مگر کرنا ضرور ہے۔''

☆☆☆

نایاب کی آنکھیں گویا محو انتظار ہو کر رہ گئی تھیں۔ کوئی بھی تو اس کے حوالے سے بات نہیں کرتا تھا نہ گھر والوں کی باتیں امی ابو، بہن بھائیوں کی کبھی کبھی تو احساس ہوتا وہ ان سب کی کچھ نہیں لگتی۔ تھک جاتی تو بی بی جان کے کمرے میں جا کر ان کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ جاتی وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں سورتیں پڑھ پڑھ کر اس کے خوابیدہ چہرے پر پھونکتیں۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب آہستہ آہستہ پر سکون ہوتے جاتے اور وہ گہری نیند سو جاتی۔

اس دن کے بعد سے علی بھی خاموش خاموش ہو گیا تھا۔

بہت دن بعد ملازم نے آ کر افواذ کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کے روبرو تھی۔

''آپ۔۔۔! آپ اتنے دنوں بعد آئے، آپ تو وعدہ کر کے گئے تھے کل آنے کا۔''

اس کا ٹوٹا ہوا لہجہ پھولی ہوئی سانس بے ربطگی جملوں کی ڈھلکا ہوا دوپٹہ، کہیں سے بھی شوخ و شریر مینا کا پتا نہیں دے رہا تھا'' بیٹھیں دراصل مجھے ایک کام تھا اسلام آباد ابو کے ساتھ چلا گیا تھا۔''

''آپ نے گھر والوں کے متعلق امی ابو کے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔'' اچانک ہی اس نے بے چینی سے کہا۔ افواد چونک کر اسے دیکھنے لگا، یہی تو وہ چاہتا تھا اس کے اندر کھوج بیدار ہو اور وہ بے چینی اور اضطرابی کیفیت سے سوچتی رہے پھر اپنے متعلق خود سے سوال کرے جاننے کی طلب ہو ایک ماہر نفسیات کا یہ سب سے پہلا عمل ہوتا ہے کہ اپنے مریض کے اندر وہ یہ خود ساختہ سوچ پیدا کرے۔ اسی لیے وہ دیر سے آیا تھا اس کے ماہر نفسیات دوست اصغر رحمٰن کا یہی مشورہ تھا اور وہ اس میں کامیاب تھا۔

''آپ نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔'' اس نے نایاب کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے ابو، امی، بھائی سب کی باتیں کروں کوئی مجھے ان کے بارے میں بتائے اور۔۔۔اور۔۔۔میں سوچ رہی تھی کہ آپ بتائیں گے مگر آپ بھی چلے گئے تھے۔'' اُس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

''میں دوبارہ آنے کے لیے گیا تھا پوچھیں کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔'' دھیرے سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

میں ان کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں کہ۔۔۔کہ''

وہ۔۔۔اچانک رک گئی کہ کیا پوچھے۔

''کیا ہوا؟''

''گھر والے تو ان کے متعلق بات ہی نہیں کرتے جیسے کچھ پتا نہ ہو کوئی تصویر بھی نہیں تھی میں اپنے گھر جا کر ان لوگوں کی تصویریں لے کر آئی ہوں مگر مجھے کچھ یاد نہیں آتا نہ بہن' نہ بھائی نہ اور کچھ۔'' وہ غائب دماغی سے کہہ رہی تھی۔

''جسے کچھ معلوم ہی نہ ہو وہ کیا بتائے گا۔'' دھیرے سے اُس کے زرد صبیح چہرے پر نگاہ کی۔

کیا مطلب! تحقیر بھری الجھن میں اُسے دیکھا۔

''مطلب آسان سا ہے۔ خود سوچیں اور حل تلاش کریں۔''

مگر میں کیسے۔ بہت سوچتی ہوں' کوئی سرا نہیں ملتا۔ پیشانی مسلی۔

''میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔ سب بتاتا ہوں۔ جو بتاؤں اُس کی روشنی میں یاد کرنے کی کوشش کرو''۔ افواد بغور اُسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ نے میری بہن کی منگنی کی تصویریں بھی نہیں دکھائیں''۔

وہ تو میں گھر چھوڑ آیا ہوں کل لاؤں گا۔

اور۔ کل کب آئے گی۔۔۔؟

تمہارا ایک بھائی بھی ہے نایاب! انکشاف کیا۔

نایاب غائب دماغی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

میرا بھائی!

''میرا بھائی ہے۔ سگا' زندہ ہے' کہاں ہے وہ۔۔۔۔۔۔

''امریکہ میں اُس سے رابطہ کر کے سارے حالات بتا دیئے گئے ہیں۔ کل آ رہا ہے۔

کل۔۔۔ اچھا! مگر مجھے تو کسی نے بھی نہیں بتایا۔

اس لئے نہیں بتایا کہ ان لوگوں کو بھی نہیں معلوم۔

کیوں! اُس کے ابرو تیکھے ہوئے اور اعصاب تن گئے۔

اس لیے۔۔۔ کہ۔۔۔ افواد نے بسم اللہ پڑھ کر کہنا شروع کیا۔ آر یا پار اب یہ ساری کہانی سن لیتی تو معلوم ہوتا تھا۔

دھیرے سے خود کو سنبھال کر متوحش انداز میں اپنی جانب دیکھتی نایاب کو دل کی بھیگی ہوئی آنکھ سے دیکھا۔

اس لیے کہ تم ان سب کے ساتھ نہیں ہو۔ تمہارا ان لوگوں سے مسیحائی کا رشتہ ہے۔ قدرتی خاندانی نہیں، تمہارے ساتھ جو حادثہ ہوا اس کی وجہ سے تم یہاں ہو۔ ان کو تمہارے گھر' خاندان' دوست احباب' رشتہ دار کسی کے بارے میں علم نہیں تھا۔ تمہارے امی' ابو' بہن مر چکے تھے اور تمہاری حالت دگرگوں تھی۔ وہ ہکا بکا سینے پر ہاتھ رکھے سانس روکے سن رہی تھی۔

تمہاری بنیاد'' تمہاری اصل'' کچھ اور ہے یہ سب تمہارے محسن۔ تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ جانتی ہو یہ حادثہ کیسے ہوا تھا''؟

لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

اُس کے حواس باختہ ہو رہے تھے۔

تم لوگ اسلام آباد سے واپس آ رہے تھے۔۔۔ دھیمہ پر جوش لہجہ تھا۔

تم لوگ اسلام آباد کیوں گئے تھے!

کیوں۔ گئے تھے! زیرلب کہا۔ اُس کی آنکھیں۔ دکھ کا ساگر تھیں۔

تم اسلام آباد گھومنا چاہتی تھیں۔ اپنے پاپا کو بزنس کی ٹینشن مضر کی جدائی اور دکھ کے حصار سے نکالنا چاہتی تھیں۔ وہاں تم لوگ خوب گھومے تھے پھر ہمارے گھر آئے تھے۔

نگین کی منگنی جواد بھائی کے ساتھ ہوئی تھی۔

بغور جائزہ لیتا دھیرے دھیرے بتاتا جا رہا تھا۔ ابھی تک اس کے چہرے پر پہچان کا کوئی عکس نہیں جاگا تھا۔

تم نے اورنج لباس پہنا ہوا تھا۔

- ہم نے بالکونی میں کھڑے ہو کر چائے پی تھی۔

ہمارے درمیان پھولوں کے مطلق گفتگو ہوئی تھی۔

اسلام آباد سے واپسی پر تم نے سبز لباس پہنا تھا۔ سبز ہی چوڑیاں تھیں۔ نایاب ساکت تھی۔

ندا نے تمہیں چوڑیاں پہنائی تھیں۔ تمھاری ہتھیلی پر کٹ بھی لگ گیا تھا۔ میں ندا پر غصہ ہونے لگا تھا اور۔۔۔اور۔۔۔تم کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

اسے بغور دیکھتا لفظ لفظ اس کی سماعتوں میں انڈیل رہا تھا۔

پھر جب تم لوگ واپس آنے لگے تو تم ضد کر رہی تھیں کہ گاڑی تم خود چلاؤ گی۔۔۔بولو کچھ یاد ہے۔

تمھارے پاپا۔۔۔آہستہ ڈرائیونگ کی شرط پر راضی ہوئے تھے۔ تمھاری مما مخالفت کر رہی تھیں اور نگین بھابھی خیریت سے گھر پہنچ جانے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

اف۔۔۔میرا۔۔۔خدا۔۔۔یا۔۔۔سر میں ٹیس سی اٹھ رہی تھی۔

میرا۔۔۔بھائی!!۔۔۔سر تھام لیا۔

’’سکندر امریکہ میں ہوتا ہے اس نے شادی کر لی تھی۔ انکل ناراض تھے اس سے وہ۔۔۔تو زندہ ہے نا۔۔۔! دھیرے سے ہونٹوں سے نکلا۔۔۔اُس کے حواس جاگنے لگے۔ سر میں دھماکے سے ہونے لگے۔

نا۔۔۔یاب۔۔۔افواد نے دھیرے سے اس کے یخ ہاتھ تھام لئے۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ چنگاریاں بکھر رہی تھیں۔

تم ہماری بیٹی ہو۔ ہمارے بیٹے کی نشانی۔ تم کہیں نہیں جاسکتیں۔

اس گھر میں امی، ابو، میری، ہم سب کی تصویریں کیوں نہیں ہیں۔

بمشکل افواد کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر سر تھام لیا۔

کیا میری یاداشت کھو گئی ہے۔ مجھے کیوں لگتا ہے میں کوئی اور ہوں کہیں اور ہوں شناسائی کا احساس کیوں نہیں جاگتا۔

اسکا دماغ زلزلوں کی زد پر تھا۔ جھٹکے بے انتہا شدید تھے۔

اُس نے نگاہ اٹھائی۔ افواد گھوم رہا تھا اس کو سر چکرا رہا تھا۔

نایاب!۔۔۔تم ٹھیک تو ہو۔۔۔! بے چینی سے افواد اٹھا۔۔۔

نایاب!۔۔۔صوفے پر ڈھلک گئی۔

نایاب۔۔۔نایاب۔۔۔افواد نے بے تابی سے جھنجوڑا۔۔۔تیز آواز پر باہر بے چینی سے ٹہلتا علی بھاگا آیا۔

کیا ہوا۔۔۔؟۔۔۔متوحش انداز میں اُس کی جانب بڑھا۔

بے ہوش ہو گئی ہے۔۔۔افواد نے پریشانی سے اُسے صوفے پر لٹایا۔

کیسے!۔۔۔

میں بتاتا جا رہا تھا۔۔۔کہ۔۔۔

آہستہ۔ آہستہ۔ بتاتا تھا۔ پہلے ہی دماغی صدمے کے زیر اثر ہے۔ اس کی نبض دیکھنے لگا۔ پلوشہ۔ بی بی جان بھی اندر آ گئے۔

پلوشہ ڈاکٹر رعنا کو فون کرو۔

علی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُس کو پلکوں میں بسا کر سینے میں سما لے۔۔۔

پلوشہ باہر نکل گئی۔

اس دفعہ کی بے ہوشی بے حد طویل اور ہولناک تھی۔

سارے فق چہرے کے ساتھ اس کے گرد تھے۔ ڈاکٹر رعنا نے چیک اپ کرنے کے بعد سکون کا انجکشن لگا دیا۔

گھبرانے کی بات نہیں دماغ پر بے انتہا زور دیا ہے اس لیے۔

انہوں نے بی بی جان کو تسلی دی۔

افواد بھی پرسکون ہو گیا۔

میں چلتا ہوں فون کرتا رہوں گا۔

علی کا بس چلتا تو اس کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیتا۔

قمر بھی اس کی بے ہوشی کا سن کر آ گیا تھا۔اب سخت اپ سیٹ تھا۔رات گئے اس کی بے ہوشی ٹوٹی تھی۔

سر میں سخت درد ہو رہا تھا سامنے کاؤچ پر بی بی جان تھیں۔اس کے برابر میں پلوشہ۔۔۔دھیرے سے سر ہلایا۔

یوں لگا جیسے سر پر منوں بوجھ ہو۔۔۔

یا۔۔۔اللہ۔۔۔اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

میں کہاں، کس مقام پر ہوں۔میری مدد فرما۔۔۔

آنکھیں بھینچ کر کھولیں کمرے میں اب ملگجا سا اجالا پھیلا دن نکلنے کا پتہ دے رہا تھا۔

اس کی چھٹی حس اسے خبردار کرتی رہتی تھی۔

اف۔۔۔میرے۔۔۔خدا۔۔۔اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔دھیرے سے اٹھ بیٹھی

کتنے اچھے لوگ ہیں غیر کی بیٹی کو اپنا سمجھا۔کتنا عزیز رکھتے ہیں۔کہیں بھی غربت کا شائبہ تک نا تھا۔اس کا وجود بے معنی بے توجہ نہیں تھا۔

یہ کیسی مشیت ایزدی تھی۔کیا بہتری اور بھلائی تھی۔کچھ بھی نہیں بچا۔

اب میں یہاں نہیں رہونگی۔اپنے گھر چلی جاؤں گی۔دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

سب کچھ لقمہ اجل بن گیا۔میرا بھائی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔مجھے۔۔۔مجھے۔۔۔کچھ یاد کیوں نہیں آ رہا۔۔۔

تبھی بی بی جان نماز کے لئے اٹھیں۔تو اسے بیٹھا دیکھ کر اس کی جانب بڑھ آئیں۔تم

روہی ہو۔۔۔! اسے ساتھ لگا لیا۔

"بی بی جان۔۔۔وہ سسک اٹھی۔" پلوشہ اٹھ بیٹھی۔

نا۔۔۔بچے۔۔۔نا۔۔۔ایسے نہیں کرتا۔ہم سب تمہارے ساتھ ہیں نا۔

مجھے۔۔۔مجھے۔۔۔کچھ یاد۔۔۔کیوں نہیں آتا۔۔۔سسک اٹھی۔

آئے گا بیٹا۔سب آئے گا۔

دھیرے دھیرے تھپک رہیں تھیں۔پلوشہ نے بیچارگی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

دن ڈھلے۔چوکیدار نے افواد کے آنے کی اطلاع دی۔تو وہ غنودگی کی سی کیفیت میں تھی۔

"اُن کے ساتھ ایک آدمی اور ہے۔۔۔۔"

انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔۔۔علی نے کہا۔

"تم جاؤ۔میں اسے لے کر آتی ہوں۔۔۔۔"

"مجھے یہ شخص اک آنکھ نہیں بھاتا۔اگر۔اگر اسے کچھ ہو گیا تو بی بی جان تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

علی!۔۔۔انہوں نے سرزنش کرنے والے انداز میں پکارہ۔۔۔۔۔

مت بھولو کے یہ ہمارے پاس امانت ہے۔اور ہم امانت میں خیانت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔اور جب تک اس کی یاداشت واپس نہیں آ جاتی ہم کچھ نہیں کر سکتے"

علی نے بے قراری سے مٹھیاں بھینچ لی۔اک نگاہ اُس کے زرد چہرے پر ڈالی۔بی بی جان اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔اور وہ جاگنے لگی تھی۔

سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے نایاب کی۔۔۔"

مصافحہ کر کے اسے دیکھا۔۔۔

بہتر نہیں ہے!۔ دوسرے شخص کی جانب نگاہ کی اور چونک گیا۔

''یہ سکندر ہے۔ نایاب کے بھائی۔''

علی کا وجود کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ بمشکل مصافحہ کیا۔

''نایاب کدھر ہے۔۔؟۔۔۔۔۔

''آ رہی ہیں۔''

اگلے لمحے وہ بی بی جان۔ عمر کے ساتھ اندر آ رہی تھی۔

مینا۔۔۔ مینا۔ سکندر بے تابی سے اُس کی جانب بڑھا۔

نایاب چونکی۔۔۔ بے اعتنائی اور اجنبیت بھری نگاہ اُس پر ڈالی۔ افواد نے گہرا سانس لیا۔

اُسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

میری بہن!۔۔۔۔۔۔ سکندر نے ساتھ لگا لیا۔

بھائی۔۔۔ بھائی کا احساس سسکی ضرور بنا مگر ذہن کے افق پر کوئی سایہ نہیں لہرا رہا تھا۔ سر میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

سکندر بٹھاؤ اسے!

''نایاب کیسی ہو، طبیعت کیسی ہے؟''۔ افواد سامنے ہوا۔

بی بی جان اور علی سامنے بیٹھ گئے۔

آپ نے کل بھی تصویریں نہیں دکھائیں۔۔۔ تھیں۔

بمشکل سنبھل کر اُسے دیکھا۔

اور مووی بھی نہیں لائے۔

لایا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب تک تم تصویریں ا[illegible] ی دیکھو گی ان سب کو چلتے پھرتے تو تمھیں سب یاد آ جائے گا۔

البم اُس کی جانب بڑھائی جسے اس نے بے تابی سے تھام لیا اور مووی۔ علی کی جانب بڑھائی اُسے لگانے۔

نایاب نے کارپٹ پر بیٹھ کر البم کھولا۔ سکندر اس کے برابر میں تھا۔

لائٹ فیروزی سوٹ میں ایک ہنستی ہوئی لڑکی اور نج لباس میں اس کا دلکش سراپا۔

یہ امی۔ ہیں۔ سکندر نے گریس فل سی خاتون کی تصویر پر انگلی رکھی۔

یہ۔ ابو۔ کھلکھلاتے ہوئے فیروز نظامی کی جانب اشارہ کیا۔

یہ جواد۔ ٹینا کا منگیتر۔۔۔ صفحے پلٹائے

ساکت نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ہنستی ہوئی محفل۔ کھلکھلاتے ہوئے چہرے روشنیوں کا سیلاب۔ ہر تصویر میں اس کا وجود نمایاں تھا۔

امی۔ ابو۔ وہ سسکی۔۔۔ ٹینا۔ آنسو پھسل پھسل کر البم پر گر رہے تھے، سر میں دھماکے ہو رہے تھے۔

یہ سب لوگ اب اس کی زندگی میں نہیں۔۔۔۔

اس کے دوست رہنما، اس کے ساتھی، مہربان سب۔ سب۔۔۔

''وہ سسکی۔۔''

نہیں نہیں۔۔۔ بے تابی سے اک اک تصویر پر ہاتھ پھیرا۔۔۔

مینا!۔۔ مینا۔ سکندر نے بے تابی سے اس تھاما۔۔۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ آنسو پھسل پھسل کر گود میں گر رہے تھے۔ ماں باپ کو کھونے کا دکھ۔ بہن کی حالت۔ اپنی نافرمانی۔۔۔

کاش۔۔ کاش۔۔ بازو سے چہرہ صاف کیا۔

نایاب بلک بلک رو رہی تھی۔

یہ دیکھو!۔۔۔افواد نے اسکرین کی جانب اشارہ کیا۔

یہ تمھارے۔ابو۔ہیں۔یہ امی۔یہ نگین بھابھی۔تمھاری بہن۔یہ جواد بھائی۔اور یہ تم

۔۔۔

زندہ متحرک وجود ہنستے مسکراتے چلتے پھرتے۔مطمئین وشاد چہرے۔اطمینان بھرے لمحے۔جھپٹ کر وہ اٹھی اور اسکرین کے سامنے جا بیٹھی آنسو گود میں گر رہے تھے۔امی ۔۔۔اسکرین پر ہاتھ پھیرا ابو۔۔سسکیاں بلند ہوئیں۔

یہ۔۔یہ سب لوگ چلے گئے۔اس کی زندگی میں کتنا اندھیرا چھا گیا ہے۔

کیا وہ کبھی بھی ان اندھیروں سے نہیں نکل سکے گی۔اب اس کیلئے دعا ئیہ ہاتھ نہیں اٹھیں گئے۔

نہیں!۔۔نہیں۔!۔۔

کوئی اس کیلئے دعا نہیں کرے گا۔

اس کی فرمائش اس کے لاڈ۔اٹھانے والے چلے گئے۔

وہ لپک لپک کر رو رہی تھی۔

مینا'مینا۔سکند۔بے قراری سے اس کی جانب بڑھا۔

افواد نے ہاتھ تھام کر روک دیا۔

بی بی جان بھی رو رہی تھیں علی کو خود پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔عمر آفندی لب بھینچے سب دیکھ رہے تھے ان کا دل بھی بوجھل'سوگوار ہو رہا تھا۔سب کچھ ان کی وجہ سے ہوا تھا۔خود کو کبھی بھی معاف نہیں کریں گئے۔

امی۔ابو۔دماغ میں جھماکے۔دھماکے ہو رہے تھے۔

دھیرے۔سے سر تھام کر اسکرین کی جانب نگاہ کی۔

اور۔۔اس کی یاد کے افق پر سارے لمحے زندہ ہوتے چلے گئے۔

نگین!۔۔۔تمھارے ہاتھوں پر بہت گہرا رنگ آیا ہے مہندی کا'جواد بھائی تمھیں بہت چاہیں گئے۔

امی۔پلیز۔ابھی کچھ دیر اور۔۔۔

ابو۔۔۔کیسا رہا میرا پروگرام۔۔۔

یہ میرا بیٹا ہے'بیٹا میرا دایاں بازو۔ابو ادریس انکل کو بتا رہے تھے۔ان کا بازو اس کے شانے پر پھیلا تھا اور وہ بچوں کی مانند خوش ہو رہی تھی۔

روشنیوں کے جھماکے ہو رہے تھے ساکت سے انداز میں اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔مووی ختم ہو گی۔اسکرین کالی ہو گئی۔

اب نئے منظر ابھر رہے تھے واپسی کا سفر۔

ابو گاڑی میں چلاؤں گی۔

مگر بہت آہستہ۔۔ابو وعدہ لے رہے تھے۔

بچی کی ضد کے آگے بچہ بن گئے ہیں میں جہاز میں جاؤں گی۔امی تیار نا تھیں صبر کرو بیگم اس سفر کا اپنا مزہ ہو گا۔

واپسی کا سفر بہت خوشگوار تھا۔نگین کے چہرے پر نئے رنگ کے گلاب کھلے تھے۔

تھوڑی تھوڑی دیر تک کبھی ابو اور کبھی یہ ڈرائیونگ کر رہے تھے'امی تو بس آنکھیں بند کر کے دعائیں۔سورتیں پڑھ رہی تھیں۔

وہ ہنس رہی تھی۔امی کو گدگدا دیتی۔

اسے یاد آ رہا تھا۔

اس کی باری تھی ڈرائیونگ کی'امی ہر بار منع کر رہی تھیں۔

کچھ نہیں ہوتا امی۔[illegible] میگزین کیوں دیکھ

[illegible] فون مجھے دو میں [illegible] دل گیا [illegible] کی جانب بڑھایا

تھا۔ وہ لوگ کراچی کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔

ہائی وے پر ان کی گاڑی دوڑ رہی تھی۔

یہ نہیں کچھ اور سن لو۔۔۔نگین ھیڈ فون اور واک مین دینا نہیں چاہ رہی تھی۔

اب تو یہ ہی سنونگی۔۔۔چھیننے چھپٹنے کی کوشش

اور!!!۔۔۔

اس کی وجود سے سسکی نکلی۔۔۔سر کی ٹیسوں نے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ گاڑی ڈگمگائی تھی۔

یا اللہ خیر!۔۔امی کی آواز بہت بلند تھی۔

ڈگمگانے سے گاڑی اس کے ہاتھ سے بے قابو ہو گئی۔

بیٹا۔ اسپیڈ کم کر اور۔۔۔

اور۔۔وہ سن رہی تھی۔ کرنا بھی چاہ رہی تھی۔ گھبرا گئی' گاڑی مزید بہکی۔۔۔۔اور

۔۔۔۔

پل بھر کی دیر تھی حادثہ شدید بھی تھا اور اندوہناک بھی پل میں ہر چیز متحرک وجود۔۔۔ساکت ہو گئے

امی۔ ابو۔۔۔

موی دوبارہ لگادی درمیان سے۔۔۔افواد جھک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ندا اسے شرارت سے دیکھ رہی تھی۔

ابو۔۔۔ابو۔۔۔امی۔۔نگین۔۔۔میرے اپنے۔۔۔!۔۔

نایاب۔ سکندر اور افواد اس کی جانب جھپٹے۔۔۔

دونوں ہاتھوں سے سر تھامتی۔ نایاب زمین بوس ہو چکی تھی۔

بے تابی سے ۔۔۔اٹھایا اس کی پیشانی سے خون رس رہا تھا۔ سامنے ٹرالی کا

کو نہ لگا تھا۔

اسپتال لے چلو۔۔علی بے قراری سے اٹھا۔

سب لوگ اُسے تھام کر باہر نکلے۔

ڈاکٹر رعنا۔ بروقت مل گئے۔ اُسے چیک کیا۔ اُسکا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ آئی سی یو میں لے گئے بی بی جان صدف دل سے اُس کیلئے دعائیں مانگ رہی تھیں انہیں پلوشہ جیسی ہی لگتی تھی عمر کیا تھی اور دکھ کسی قیامت کے ملے تھے۔

سکندر۔ دکھ' غم' غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

کون ہے ہماری زندگیوں سے کھیلنے والا شقی القلب، ایسے ظالم درندوں کو پھانسی کی سزا دلواؤں گا۔ ہمارے ہنستے مسکراتے گھر کی خوشیوں کو نگل لیا۔

سب دلگرفتہ اور پریشان تھے۔

ادھر سے ادریس علوی اسلام آباد سے آگئے۔

اُس کی حالت بے انتہا نازک تھی۔ سب دعا گو تھے۔

تبھی مسلسل پیشیاں بھگتا کر اکبر داؤد ان سب کو ڈھونڈتا ادھر آگیا۔ آخر سمجھ کیا رکھا ہے تم لوگوں نے میری بہو کو مارنا چاہتے ہو۔ اب تو میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ تم لوگ۔ لالچی دھوکے باز۔۔۔

وہ ان کے سامنے کھڑا زور زور سے بول رہا تھا دھکار رہا تھا۔

عمر آفندی' سکندر' افواد سب چونک گئے۔

کون ہے یہ۔۔؟۔افواد نے پوچھا۔

نوسر باز کون ہے ابھی علم ہو جاتا ہے۔۔۔علی سامنے آیا۔

اس شخص کو جانتے ہیں آپ۔۔۔سکندر کی جانب اشارہ کیا۔

ہو گی کوئی اور ملی بھگت۔۔۔میں تو اتنا جانتا ہوں کہ۔۔۔۔

"یہ آپ کی بہو کے بھائی ہیں آپ کے بیٹے کا سالہ آپ انہیں نہیں جانتے۔

کیا!!!! اُس کا رنگ فق ہوا۔۔۔

آپ کو ٹھیک طرح سے علم نہیں کہ آپ کی بہو کا اصل نام کیا ہے۔ یہ آپ کو بتائیں گے کی آپ کی بہو کا نام نگین ہے یا نایاب۔۔۔ یا ان کی بہن کا نکاح بچپن میں ہوا تھا یا نہیں۔۔۔۔

سکندر اس ساری سورتحال کو دیکھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ علی نے اُس کی جانب پلٹ کر ساری صورتحال بتائی۔ نکاح۔ مقدمہ۔ لڑائی جھگڑا۔ فراڈ۔۔۔ فراڈ ہے یہ سب۔۔۔ سکندر اُس کی جانب بڑھا۔

دھوکے باز، مکار، فریبی' شرم نہیں آتی تجھے ایک مظلوم دکھی لڑکی سے فراڈ کرتے۔۔۔

افواد سب سن کر مُکا تان کر اُس کی جانب بڑھا۔

اکبر داؤد کا فریب کھل گیا۔ اُس کے ہاتھوں کے چھکے چھوٹ گئے یتیم کا مال کھانے والا دوزخی' جہنمی ہوتا ہے۔ جانتے بوجھتے آگ کھانے لگے تھے۔ صرف کاغذ کے چند ٹکڑوں کے عوض بول کتنی دولت چاہیے۔۔

دولت!۔۔ اسے حوالات کی سیر چاہیے، قید بامشقت چاہیے۔ اب بلواتا ہوں پولیس کو۔ علی اپنا موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔

مبارک ہو۔۔۔ نایاب کو ہوش آ گیا ہے۔۔۔

سسٹر نے آ کر اطلاع دی۔ ڈاکٹر رعنا آپ کو بلا رہے ہیں۔

کیا!۔۔۔ سب سرعت سے اُس کی جانب بڑھے۔۔۔

اکبر داؤد کیلئے یہ لمحے فرار کیلئے بہت تھے۔

ندامت شرم کی بکل مارتا وہ نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

سب کی دعائیں رنگ لائیں تھیں۔ اُسے ہوش آ گیا تھا ڈاکٹر رعنا کی کوششیں تھیں کہ وہ اب خطرے سے باہر تھی۔ اور پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

سکندر کو دیکھتے ہی نایاب ساکت ہوئی۔ سکندر اس کی جانب بڑھا اور۔۔۔ دوسرے لمحے وہ بھائی کے سینے سے لگی بلک بلک رہ رہی تھی۔

اُس نے سکندر کو پہچان لیا تھا۔

ڈاکٹر رعنا نے شکر ادا کیا۔ اُس کی یاداشت واپس آ چکی تھی۔ عمر آفندی اندر آ ہی نا سکا۔ اور علی بے انتہا دلگرفتہ ہو رہا تھا۔

بی بی جان۔۔ پلوشہ۔۔ ارجمند بانو۔۔۔ سب آ گئے۔ سب نے اُسے گلے لگایا پیار کیا۔ اصل دکھ والدین سے جدائی کا تو اب شروع ہوا تھا اُس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

اس وقت اُسے سکون کی ضرورت تھی ڈاکٹر نے اُسے سکون کا انجکشن لگا دیا۔

اگلے چار پانچ گھنٹوں میں اُس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ سکندر اُس کے سرہانے تھا۔

اگلے دن۔ ڈاکٹر رعنا نے ڈسچارج کر دیا۔

بی بی جان اُسے اپنے گھر لے آئیں۔ آفندی ہاؤس۔۔۔۔۔۔

یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ میرے محسن' میرے ہمدم' یہ نا ہوتے تو نہ جانے میں کہاں ہوتی۔ ہوتی بھی یا نہیں۔۔۔ اُس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ان سب کو اچھے لفظوں سے یاد کر رہی تھی۔

اور سب اس سے نظریں چرا رہے تھے۔

☆☆☆

معلوم نہیں ہماری پولیس کیا کرتی پھر رہی ہے اتنا شدید اور خوفناک حادثہ تھا۔ موقع پر تین قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں کسی نے ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ پولیس نے تحقیق نہیں

کی۔انصاف کیا ملے گا۔حادثے کے ذمہ دار لوگ دندناتے پھر رہے ہیں۔۔۔لیکن میں انھیں کسی قیمت پر معاف نہیں کرونگا''

سکندر بے انتہا غصے میں تھا حکومت' انتظامیہ کی نااہلی اور غفلت پر۔اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا انصاف ضرور ملے گا اور میں اپنے والدین کے قاتلوں کو معاف نہیں کرونگا''۔۔۔

اصل مرحلہ تو اب آیا تھا۔۔۔

ایک بات تو بتایئے عمر صاحب!۔۔۔اچانک وہ ان کی جانب متوجہ ہوا۔

یہ میری بہن آپ کو کہاں ملی تھی۔۔سب ساکت ہو گئے۔

کچھ آپ کو اس بارے میں علم ہے۔آپ نے ایف آئی آر درج کروائی۔۔

جی! عمر نے خود کو سنبھالا۔جھوٹ بولنا عبث تھا اور وہ جھوٹ بولنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

''اچھا تو پھر جلدی بتایئے تاکہ انہیں سزا دلوائی جا سکے۔ہمیں انصاف ملے۔۔۔'' نایاب نے بے چینی سے کہا۔

علی اور عمر آفندی نے ایک ساتھ اُسے دیکھا۔

''مجرم بہت پشیمان ہیں۔سزا، جزا، ہرجانہ، غرض ہر قسم کے کفارے کے لئے تیار''

''کون ہیں وہ لوگ؟''۔۔۔بے تابی سے پوچھا۔

''آپ کے سامنے ہیں یہ حادثہ نادانستگی میں سرزد ہوا تھا مجھ سے اور میں ہر طرح کے سلوک، سزا کیلئے تیار ہوں''۔

عمر آفندی نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا اور سر جھکا کر اعتراف جرم و اقرار کیا۔۔۔

نایاب، سکندر اور افواد کو سانپ سونگھ گیا۔

نایاب تو ہکا بکا تھی۔

آ۔۔۔پ۔۔۔۔۔!!۔۔۔۔

توجہ۔اپنائیت، مہربانی، مدبرانہ انداز، محبت بھرا اعتماد سب یاد آ گیا تھا۔

نہیں۔۔نہیں۔۔آپ۔۔۔تو!۔۔۔بے یقینی سے دیکھا۔

یہ سچ ہے!۔۔۔علی نے مزید کہا۔

''مگر کیسے!''

''یہ تو ہم بھی نہیں جانتے۔آنکھ کھلی تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا'' یہ حادثہ صرف تیز رفتاری کے باعث ہوا میں بہت تیز جا رہا تھا۔میرے ساتھ علی۔میری بہن اور بیگم تھیں۔ میں ذرا غصے میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔تیز بہت تیز۔اچانک میری گاڑی کے آگے انکی گاڑی آ گئی۔بچانے کی کوشش میں۔۔۔!!۔۔۔۔عمر چپ ہو گئے۔

بعض اوقات زندگی میں ایسا موڑ بھی آتا ہے جہاں چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کیا جا سکتا۔لفظ گنگ ہو جاتے ہیں اور لہجے ساکت۔

نایاب کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

آپ بہت اچھے ہیں بی بی جان میں آپ کو اپنے امی ابو سے ملواؤں گی۔۔۔وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے وہ آپ سے مل کر۔دنیا میں آپ جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ہمارا حلقہ احباب وسیع ہو جائے گا۔'' نایاب کو پچھلی باتیں رلا رہی تھیں۔

نایاب کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

ہم چاہتے تو موقع واردات، جائے حادثہ سے فرار ہو سکتے تھے مگر انسانیت کے ناطے ہم لوگوں نے ایسا نہیں کیا، آپ سے چھپ سکتے تھے۔

مگر اُس ذات باری سے نہیں جو دلوں میں چھپے راز جانتا ہے اور ہمارے ہر پل سے واقف ہے۔۔۔۔

عمر آفندی دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

ڈرائنگ روم میں ساکت خاموشی پھیل گئی۔

اعتراف جرم کے بعد کچھ اور کہنا باقی نہیں تھا۔عمر آفندی اور علی باہر چلے گئے۔

اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

مجرم ہی محسن تھے۔

اُف!۔۔۔سکندر اور افواد نے سر ہاتھوں میں تھام لئے۔

''کیا یہ مجرم ہو سکتے ہیں''

اس کا کس قدر دھیان رکھا۔

بی بی جان نے اسے بیٹی سمجھ کر رکھا۔دن رات اس کے ساتھ تھیں۔

پلوشہ۔۔۔جیسے ماں جائی ہو۔۔۔

انکل۔آنٹی۔آہ!۔۔۔اُس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔

اتنے اعلیٰ ظرف لوگ مجرم ہو سکتے تھے۔

مگر تھے۔۔۔!

ان کا اقرار تھا۔۔۔اعتراف جرم تھا۔

نا۔یاب۔۔۔!۔۔۔

سکندر اُس کے قریب بیٹھا۔۔۔۔

خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھا۔۔۔۔

گاڑی کون ڈرائیو کر رہا تھا؟۔۔۔سکندر اُس کے برابر میں بیٹھا۔نایاب اُسے دیکھتی رہی۔

تم۔یا۔۔۔ابو۔۔۔

نایاب نے سر جھکا لیا۔

میں۔۔۔!ابو مجھے گاڑی دینا نہیں چاہتے تھے مگر میں بضد تھی ابو آپ تھک گئے ہیں۔
اب میری باری ہے۔امی منع کر رہی تھیں۔مگر میں نہیں مانی ہوٹل میں کھانا کھا کر ہم باہر نکلے

تو میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔۔۔اُس نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔

سارے منظر اُس کے سامنے تھے۔

مینا۔۔۔سیٹ سے ہٹو۔۔ہائی وے پر ابو کو چلانے دو گاڑی۔۔۔

امی نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔۔۔

امی کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ابھی میں نے آپ کو چلا کر تو دکھائی ہے۔امی کے خوف پر وہ ہنس رہی تھی۔

ہٹ جاؤ نایاب اگر امی منع کر رہی ہیں تو۔۔۔نگین نے بھی کہا۔

ڈرپوک چوہیا۔۔۔کان میں گھسی۔۔۔

چلانے دو میں برابر میں بیٹھا ہوں نا۔۔۔ابو اس کی سائیڈ لے رہے تھے۔

اُس نے اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھالی۔

امی اور مینا کے خوف پر ہنس رہی تھی۔

ان کا خوف بے جا نہیں تھا۔حادثہ ہو کر رہا۔۔۔حادثہ اس کی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے ہوا۔۔۔

اُس نے کانوں میں ہیڈ فون لگا لیا تھا۔

نگین سرزنش کر رہی تھی اتارو اُسے۔تم کون سی ایسی پرفیکٹ ڈرائیور ہو۔وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

اُس کی انگلیاں اسٹیرنگ پر تھرک رہی تھیں۔

اور۔۔۔۔۔۔۔

ہونٹ گنگنا رہے تھے۔

اس کی توجہ بہکی۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حادثہ شدید بھی تھا اندوہناک بھی فضا ارد گرد کی ہر چیز ساکت ہو گئی تھی۔

سامنے سے آنے والی گاڑی کے راستے میں وہ آئی تھی۔

اچانک گاڑی کنٹرول سے باہر ہوگئی تھی۔۔۔۔۔

اف!۔۔۔اُس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپالیا۔

سکندر اور افواد گم سم ہو گئے۔

ان کا طنطنہ۔ان کا جوش و جذبہ۔جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

مت دیکھ کہ کوئی شخص گناہ گار ہے کتنا
یہ دیکھ کہ تیرے ساتھ وفا دار ہے کتنا

کیسے قیامت خیز لمحے تھے ایک پُل صراط تھا جس سے گزرنا تھا۔

خون کا بدلہ خون، قتل کا بدلہ قتل، ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔لیکن بھلا محبتوں کو سزا دی جاسکتی ہے۔جانے والے چلے گئے ان کا مقدر شاید ایسا ہی تھا۔سزا و جزا کا فیصلہ کرنے والا اوپر بیٹھا ہے جو داوں کے حال بہتر جانتا ہے اور جب انصاف خدا پر چھوڑ دیا جائے تو بہترین انصاف ملتا ہے۔بے شک ان کے پیارے والدین تھے۔مگر کسی کو سزا دینے سے وہ زندہ تو نا ہو جاتے۔

ماں باپ سے جدائی کا دکھ کا کوئی مرہم نہیں۔

گھاؤ تو بھر ہی جاتے ہیں زخم تو سل ہی جاتے ہیں مگر ایک کسک اک درد مسلسل رہتا ہے۔

دکھ دیا تھا اِن لوگوں نے ان کی ماں جائی آخری نشانی کو سمیٹا بھی تو تھا۔حفاظت بھی تو کی تھی۔کس کرب سے گزری تھی وہ اس کیلئے شجر سایہ دار بھی تو بنے تھے۔

دگرنہ جو اس کی حالت تھی وہ تو کسی لاوارث کی طرح سسک سسک کر ایڑیاں رگڑ کر مر چکی ہوتی۔ان کے ہاتھ کیا آتا۔

سکندر نے بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔۔۔

افواد دکھ کے گہرے احساس سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

نایاب بھیگے چہرے کے ساتھ سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

دکھ کی رات بے حد بوجھل تھی۔

اجر تو دینے والا خدا ہے۔انھیں معافی کے راستے سے گزر جانا چاہئے۔اِک فیصلہ ہو گیا۔

پُل صراط سے گزر گئے۔

افواد نے مطمین انداز میں دونوں کو دیکھا۔

وہ خود سزا کیلئے تیار ہیں ہم کورٹ کچہری کے چکر لگا کر کیا کریں گے۔انکل آنٹی کا بے شک عظیم نقصان ہے مگر۔۔۔۔

اور سکندر اُس کی بات سمجھ رہا تھا۔

اس کڑی رات کی صبح دل بوجھل ویران اور ساکت تھی۔آفندی ہاؤس کی ہر چیز اداس غمگین تھی

آفندی ہاؤس کا گیسٹ روم خالی ہو رہا تھا۔

سکندر نایاب اور افواد جا رہے تھے۔۔۔۔خالی ہاتھ۔۔

''ہمیں اجازت دیں''۔۔۔

کہاں۔۔عمر آفندی نے تفکر آمیز انداز میں دیکھا۔

پلوشہ ارجمند بانو۔بی بی جان نے حیرت سے دیکھا۔

گھر۔ہم لوگ اپنے گھر جا رہے ہیں۔

ایسے کیسے۔ہم تو سزا کے منتظر ہیں فیصلہ سنایئے۔عمر آفندی آگے ہوئے۔

کیسا فیصلہ!۔سکندر کی آنکھیں بھیگ رہیں تھیں۔

''یہ سب تو مشیت ایزدی ہے قدرت کے کاموں میں کس کا دخل۔آپ لوگ میرے

محسن بھی تو ہو۔میری بہن کو میرے ماں باپ کی آخری نشانی کو اپنا سمجھ کر سنبھال لیا ہے اس سے بڑی نیکی کیا ہوگی۔۔

''اس کے صدقے میں۔۔۔۔میں نے سب کو معاف کیا۔''

نہیں!!۔۔عمر آفندی تڑپ۔۔۔گئے یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی

لاونج میں اداس رنگ۔اک ملال بھرا حزن پھیلتا چلا گیا۔

بی بی جان نے نایاب کو سینے سے لگالیا۔

''معاف کرنے والا تو پرسکون ہو گیا سہنے والا گھنی تیرگی کے حصار میں رہے گا۔''عمر آفندی تڑپ گئے۔

پلوشہ بھی رو رہی تھی۔

مت جاؤ!۔دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہ میرے اختیار میں نہیں تم آنا گھر۔۔۔!

بی بی جان کی آنکھیں چھلکنے لگیں

''ہاں بیٹا۔ضرور ہم ضرور آئیں گے۔۔۔ارجمند بانو نے خوشی سے مسکرا کر اسے دیکھا'نایاب نے نگاہ چُرالی۔۔۔

''نایاب۔!میں تمہیں پلوشہ کی طرح سمجھتی ہوں جب ضرورت ہو آواز دینا مجھے اپنے پاس ہی پاؤ گی۔

ماؤں کو آواز دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔یہ تو خود بخود ہی سارے راز جان لیتی ہیں بغیر کہے۔''نایاب ان کی آغوش میں چھپ گئی۔

چلو سکندر آگے بڑھا۔

افواد نے عمر آفندی کے شانے پر ہاتھ رکھا۔بوجھل دل سے ان کی جانب دیکھا۔دل میں کیسے کیسے پلان تھے۔

مگر خدا ہماری امیدوں کو ہم سے بہتر جانتا ہے۔

زندگی کے حادثاتی موڑ کتنے ہولناک ہوتے ہیں نا جیا جا سکتا ہے اور نا مرا جا سکتا ہے۔بوجھل دل سے رخصت کیا تھا۔

اک جبر مسلسل ہوتا ہے جو سہنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

''میں اپنے علی کے لئے نایاب کا رشتہ مانگنے جاؤں گی''

رات تخت پر بیٹھتے ہوئے بی بی جان نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے انکشاف کیا۔

عمر آفندی چونکے۔۔۔علی بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔

لالہ رخ بھی ساکت رہ گئی۔وہ تو کیا سوچ رہی تھی اور۔۔۔کیا ہو گیا۔اس کے اندر کی کینہ پرور عورت جانے کہاں جا سوئی تھی۔

ہائے سچ۔۔۔بی بی جان۔۔۔پرجوش آواز پلوشہ کی تھی۔

کتنی محبت ہوگئی ہے ہمیں نایاب سے۔کتنی پیاری ہے نا وہ۔۔۔

بی بی جان کب جائیں گے۔۔۔پلوشہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

ارے اب ہتھیلی پر سرسوں تو جمانے سے رہے۔صبر کرو ذرا۔۔۔

کہیں وہ انکار نہ کر دیں۔۔۔

''ارے۔ارے کیسی بدفال نکالتی ہے انکار بھلا کیوں ہوگا۔کس بات کی کمی ہے ہمارے اندر پھولوں کی طرح رکھیں گے۔''

ہم لفظ کہتے ہوئے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انکار کسی ''کمی'' سے نہیں ہوتا۔بعض اوقات مقدر بھی انکار کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

ملول۔اداس۔حزن رسیدہ۔عمر آفندی دریچے سے باہر جھانک رہے تھے۔

نایاب کسک بن کران کے دل میں اتر گئی تھی۔

یہ سزا۔۔مسلسل ہے کیا۔۔سینہ مسلا۔۔۔۔

لالہ رخ اندر آ گئی۔۔۔۔

آجکل وہ گہری شرمندگی کے حصار میں تھی۔انسان اپنا تجزیہ اپنا محاسبہ خود کرے تو بہت ساری برائیوں سے بچ سکتا ہے۔

پلوشہ کی باتوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں تھیں۔

بھلا محبتوں میں شک کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔اور جب شک مکاں میں قیام کر لیتا ہے تو محبت کہاں سماں سکتی ہے۔زندگی کے دونوں رخوں کا اُس نے چہرہ دیکھا تھا۔

وہ تو بھٹکنے لگی تھی۔

بھلا۔۔۔! بیڈ کے کنارے ٹک کر گہری محبت بھری نگاہ عمر پر ڈالی۔تو ان کیے دکھ میں مبتلا تھا۔

محبت بھی محبت سے جدا ہو سکتی ہے۔۔۔

وہ عمر سے معافی مانگ لے گی اپنی تمام تر غلطیوں کی غلط فہمیوں کی۔ کج ادائیوں کی۔۔۔دھیرے سے اُس کے لب مسکرا دیئے اور وہ کھڑی ہو گئی۔

صلح کے بعد کا منظر اس کی نگاہوں میں تھا۔

اور بہت دن ہو گئے انہیں روٹھے ہوئے۔محبت کو محبت کے مان سے منا لینا چاہیے۔

اُس کی جانب قدم بڑھائے۔۔۔

عمر!۔۔دھیرے سے اُس کی پشت پر پہنچ کر شانے پر ہاتھ رکھا وہ کسی گہرے خیال میں تھا۔۔۔

عمر!۔۔۔ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔چونک کر پلٹا۔اور اک نگاہ غلط اُس پر ڈال پر اُس انداز میں چلا گیا۔

عمر!۔۔دھیرے سے اپنا سر اُس کے شانے سے لگا کر دوسرا بازو اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

ایم ساری عمر۔۔۔میں غلط تھی۔میرا اندر غلط تھا۔جانے کیوں میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ راستہ بدل رہے ہیں۔عمر۔۔۔پلیز۔۔مجھے معاف کر دیں۔

"محبتوں کو اتنا تنگ نظر اور کم ظرف نہیں ہونا چاہیے"

اُس کی آنکھیں اپنی کوتاہی پر بھیگتی جا رہی تھیں۔

لالہ رُخ۔۔عمر نے اس کی جانب رخ کیا۔

تم نے ایسا سوچا بھی کیسے۔۔۔انھوں نے اپنے دل کا کرب چھپا لیا۔

آپ کی عدم توجہی کی وجہ سے۔۔سر جھکا کر کھڑی تھی۔

مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا تھا۔اس حادثے نے میری زندگی بدل دی۔

اب۔۔۔اب۔ایسی غلطی نہیں ہو گی۔

لالہ!۔۔عمر آفندی نے گہرا سانس لیا۔

اب اس سامنے کے راستے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔اس راستے کو بند کرنے کا فائدہ بھی نہیں تھا کہ۔۔۔وہ گوہر نایاب۔۔اس کی پہنچ سے دور۔۔۔نایاب ہو گیا تھا۔

پلیز عمر!۔۔۔لالہ رخ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

ہمیں اپنی زندگی سے تمام خدشوں، وہموں اور غلط فہمیوں کو نکال کر زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا چاہیے۔۔۔

عمر۔۔نے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی خطائیں بھی قبول کر لیں۔۔۔۔

محبتوں میں خطائیں تو ہو ہی جاتی ہیں
محبت کا تقاضا ہے درگزر کرنا

اک نیا موسم ان کے درمیان آیا اور رنجشوں کے بادل چھٹ گئے۔

☆☆☆

بی بی جان۔۔۔آپ۔۔۔۔!!۔۔۔۔۔

اپنے گھر کے لان میں بی بی جان۔ پلوشہ اور آصف کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔۔۔

بی بی جان نے نایاب کو اپنے حصار میں لیکن اُس کی پیشانی چوم لی۔

کیسی ہو بیٹا!۔۔۔۔

بس!۔۔۔اُس نے حسرت ویاس کی نگاہ اطراف میں ڈالی۔۔۔

''ویسی ہی ہوں۔۔۔۔۔''

پلوشہ اُس کے ساتھ لگ گئی۔

ہمیں یاد کیا تھا۔!

(تم لوگوں سے یاد۔۔۔دکھ، خوشی، ہر رشتہ ہے کیسے بھول سکتی ہوں۔)

آیئے۔!!

انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں بڑھی۔۔۔

سکندر گھر میں ہیں۔۔۔۔

جی!!۔۔آجکل کاروبار دیکھ رہے ہیں۔انکل کے ساتھ مل کر۔۔۔ان کے سامنے بیٹھی۔۔۔۔

''باہر نہیں جائیں گے''۔۔۔۔

''نہیں!۔۔۔انہیں پہلے ہی اس بات کا افسوس ہے کہ میں کیوں چلا گیا نا میں جاتا نہ ابو اتنا ہرٹ ہوتے''۔۔۔۔

بس بیٹا!۔۔۔ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔اللہ اپنے نیک بندوں کو ہی آزماتا ہے۔۔۔۔

''میں ابھی آتی ہوں'' باہر نکلنے لگی۔

بیٹھو بیٹا۔۔۔ہمارے لئے۔۔۔

نہیں میں بھائی کو بلانے جا رہی ہوں۔۔ دھیرے سے مسکرائی۔۔۔اور۔۔۔باہر نکل گئی۔

چھوٹی سی عمر میں کیسے دکھ کے پہاڑ ٹوٹے ہیں۔۔۔

ڈرائنگ روم میں غیر معمولی سناٹا پھیل گیا۔

اسلام علیکم!۔۔۔۔۔

بلیک ٹراؤزر۔۔۔اور وائیٹ ٹی شرٹ پہنے سکندر آ گیا۔

بی بی جان نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔۔۔۔

کیسے آنا ہوا۔۔۔؟۔۔۔۔۔

مسکرا کر ان کے متوجہ ہوا۔۔۔۔

میں نے نایاب کو اپنی بیٹی بنایا ہے کیا ماں اپنی بیٹی سے ملنے نہیں آ سکتی۔۔۔۔محبت سے انہیں دیکھا۔

تبھی نایاب اندر آ گئی۔

اتنا تکلف۔۔۔نایاب،ہم پیٹو نہیں ہیں۔

''مہمان داری ہمارے گھر کا وصف ہے۔۔۔ دھیرے سے ان کے سامنے بیٹھ کر ٹرالی آگے کی۔

میری امی بہت اچھی مہمان نواز تھیں اور میں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہوں''۔

کباب کیچپ کے ساتھ اُن کی جانب بڑھائے۔۔

ماشاءاللہ!۔۔۔بی بی جان نے محبت کے ساتھ تھام لیا۔۔

میں چائے لاتی ہوں۔۔۔تھوڑی دیر بعد نکل گئی۔

کبھی بیٹا آپ بھی گھر آیئے نا!۔۔۔

بس بی بی جان مصروفیت اتنی ہے کہ ٹائم نہیں ملتا۔۔۔

آپ لوگ اکیلے رہتے ہیں پلوشہ نے پوچھا۔۔۔

۔۔یا۔۔!۔۔۔ہاں۔۔اک دکھ اُس کے چہرے پر پھیل گیا۔

''اب اکیلے ہی رہنا ہے تاعمر!۔۔۔۔

سب چُپ سے ہو گئے۔

''بیٹا۔۔۔آپکو شادی کر لینا چاہیئے۔۔اس گھر کو ایک سمجھ دار سوچ بوجھ والی عورت کی ضرروت ہے۔

سکندر اُنھیں دیکھ کر رہ گیا۔

''اور میں اسیٔ مقصد کیلیئے آئی ہوں''۔۔

جی!۔۔۔وہ سمجھا نہیں تھا۔

''بیٹیاں ساری عمر بیٹھی نہیں رہتی۔ میں۔۔۔نایاب کو اپنی بیٹی اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں''۔۔انھوں نے فوراً کہہ دیا۔

سکندر دم بخود انھیں دیکھنے لگا۔

سب کچھ تمھارے سامنے ہے انکار کی گنجائش۔۔۔

تبھی نایاب!۔۔۔چائے لیکر آ گئی۔

''کیا بات ہے اتنی خاموشی۔۔۔کس نے کس کو ڈانٹا ہے۔

نایاب!!!۔۔۔سکندر نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا

بی بی جان کچھ کہہ رہی ہیں''

''سکندر بیٹا۔۔فیصلہ تمھارا ہی ہوگا اس بچی سے مجھے خصوصی انسیت ہو گئی ہے۔ پھولوں کی طرح رکھوں گی۔اپنے سینے سے لگا کر۔''

آس، امید، مان، اعتماد سے انھیں دیکھا۔

نایاب چپ سی ہوگئی۔اس نے سر جھکا لیا مطلب واضح ہوگیا تھا۔

''نایاب اس بارے میں بہتر فیصلہ کرے گی۔زندگی اس نے گزارنی ہے''۔۔

''نایاب نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا''

''زندگی کس دوراہے پر آ گئی تھی۔''

''بولو۔۔۔نایاب!۔۔۔''

''بی بی جان۔۔۔وہ سسکی۔''

آپ سب لوگ بہت اچھے ہیں میرا بہت زیادہ خیال رکھا۔ مجھے تحفظ اپنائیت کا احساس دیا۔ پیار و محبت سے رکھا۔ کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ میں آپ کے احسان مانتی ہوں۔مگر۔۔۔۔

آنچل سے چہرہ صاف کیا۔

مجھ سے اتنی بڑی قربانی مت مانگیے یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میرے ماں باپ کی جدائی کا دکھ بھی آپ سے وابستہ ہے یہ درد میرے سینے میں ناسور بن جائے گا۔ میں کسی اور رشتے سے کس طرح وہاں رہ سکتی ہوں لمحہ لمحہ۔ جی سکتی ہوں نا لمحہ لمحہ مر سکتی ہوں نا محبت کر سکوں گی نا نفرت آپ سے میرا دکھ اور خوشی دونوں رشتے ہیں۔

''میں یہ نہیں کر سکتی۔۔۔بی بی جان۔۔۔۔''

بالکل بھی نہیں۔۔۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی

بی بی جان نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

ڈرائنگ روم میں غیر معمولی خاموشی پھیل گئی۔

وہ لوگ مایوس، ناکام، نامراد واپس آ گئے۔

کس دل سے گئے۔کس دل سے آئے یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

ہیلو!۔۔۔اُس نے مسلسل بیل پر فون اٹھا لیا۔

ہیلو!۔۔۔ہیلو!۔۔۔میں بول رہا ہوں نایاب۔۔علی۔۔۔پلیز۔۔۔پلیز۔۔فون بند مت کرنا۔۔

وہ ساکت رہ گئی۔۔

آپ!۔۔آپ نے کیوں فون کیا ہے یہاں''۔۔

تم۔۔تم نہیں جانتی۔تم میرے لیے کیا حثیت اختیار کر گئی ہو۔پلیز اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پلیز علی۔۔۔!

ماؤتھ پیس میں اس کی سنجیدگی سے بھرپور آواز اُبھری۔

کوئی کسی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔مگر رہنا پڑتا ہے زندگی کو بہر طور گزرنا ہے۔اور وہ گزر رہی ہے۔میں اس سارے حادثے سے لاعلم رہتی۔میری یاداشت واپس نہیں آتی تو ٹھیک تھا۔لاعلمی بہت سارے دکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔۔اب۔۔اب یہ ممکن نہیں''۔۔۔

''میرا تو قصور نہیں۔۔۔میں تمھیں لیکر دور چلا جاؤں گا۔پھر ادھر نہیں آؤں گا''۔۔۔

جڑوں کر ختم نہیں کیا جا سکتا بنیادیں درخت کی ہوں یا خاندان کی کبھی ختم نہیں ہوتیں۔اس قصے کو ادھر ہی ختم کر دیں جیسے ہم لوگ کبھی ملے ہی نہیں تھے۔۔۔

نہیں نایاب!۔۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا محبت۔۔۔!

یکطرفہ محبت کبھی کامیاب نہیں ہوتی ہم لوگ تو بس۔۔۔۔

اتنی سنگدل مت بنو۔۔تم جانتی ہو کہ۔۔۔

میں کچھ نہیں جانتی۔۔اور نا جاننا چاہتی ہوں۔اپنی زندگی سے اس ورق کو نکال دو۔۔

خدا حافظ۔۔۔

نا۔۔یاب۔۔۔!۔۔۔وہ سسکا۔۔۔

مگر نایاب نے اس کی سسکی نہیں سنی۔۔فون بند ہو گیا۔

علی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔اب اس کی زندگی میں سچی لگن اور لگی والی محبت آئی تھی۔۔تو۔۔تو۔۔!۔۔

اس نے بھیگا ہوا سانس اپنے اندر اتار لیا۔

اس کا دل یہ پاگل دل اب کسی بھی آوارگی سے نہیں بہکے گا۔

۔۔نایاب۔۔اس کا دل سسکا اور۔۔۔

آنسو دل پر گرنے لگے۔۔

اب دل میں بھیگا موسم رہتا تھا۔

☆☆☆

رنگ و نور کا سیلاب تھا شہر کا خوبصورت ترین گارڈن بقعہ نور بنا ہوا تھا۔سکندر کے ساتھ ساتھ عاصم بخاری اور رمنا مراد تھے ان دونوں نے حق دوستانِ ادا کر دیا تھا۔

اکبر داؤد اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا بے اولاد تھا وہ۔کسی کے ساتھ مل کر اُس نے فراڈ مکر کا یہ ناٹک کیا۔تھا۔اُسے تمام کاروبار سے الگ کر دیا گیا تھا۔اب اُس سے کوئی رابطہ اور ضابطہ نہیں تھا۔اب وہ ایک مفلسی اور قلاش زندگی گزار رہا تھا۔

خدا اپنے مجبور بے بس بندوں کی حفاظت خود بھی تو کرتا ہے۔

آج نایاب کی شادی تھی افواد احمد کے ساتھ۔

اونچا، لمبا، گریس فل، ویل آف شہزادہ۔اُسے لینے آیا تھا۔

دلہن بنی نایاب بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ماہر بیوٹیشن نے خود اس کا سنگھار کیا تھا۔

ہر نگاہ اُس کے معصوم حسن کو سراہ رہی تھی۔

اسی شادی میں بطور خاص بی بی جان'پلوشہ'ارجمند بانو نے خصوصی طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

بیٹی سمجھا ہی نہیں تھا بلکہ ماں ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

عمر آفندی نے بس خانہ پری کی حد تک شادی میں لالہ رخ کے ساتھ کھڑے کھڑے آئے سر پر ہاتھ رکھا اور چلے گئے۔علی کے لئے یہ احساس ہی سوہان روح تھا۔اس کی محبت کسی اور کی پناہ میں جا رہی ہے۔

کیسے اُس کو اپنا حق سمجھ لیا تھا۔ کتنے گفٹس لا کر رکھے تھے جو اُس کے ہاتھوں کا نصیب ہی نا بن سکے۔

جب وہ میرا نصیب ہی نہیں تھی تو پھر کیوں اُس کی خواہش میرے دل میں جاگی۔

اُس کی آنکھ بھیگ بھیگ جا رہی تھی۔

محبت کا درد اُس کے رگ وپے میں سما گیا تھا۔

نایاب خوش تھی ادریس علوی احمد ابو کے بہترین دوستوں میں سے تھے اپنے ماں باپ سے بچھڑی تھی اب والدین جیسی ہستیاں اس کا نصیب بن رہی تھیں۔

ماں اور بہن کی طرح بی بی جان اور پلوشہ نے رخصت کیا۔

پلوشہ نے وقت رخصت ہاتھ تھام رکھا تھا۔ بی بی جان نے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ ارجمند بانو نے قرآن پاک کا سایہ کیا پیشانی پر بوسہ دے کر گاڑی میں بٹھایا۔ ہمیشہ خوش وخرم رہو۔ پھولوں کی طرح مہکو۔

سکندر نے شانے سے لگا کر سر چوم لیا۔

والدین سے جدائی کا دکھ پوری شدت سے جاگا تو وہ بلک بلک کر رو دی۔ برابر میں بیٹھے افواد نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ دائیں جانب ندا آ کر بیٹھ گئی، امی آگے تھیں۔

دوسرا بازو اُس کے شانے کے پیچھے سیٹ پر پھیلا کر محبت آمیز احساس دیا۔اُس کے آنسو تھم گئے۔

اک ہاتھ ندا نے تھاما ہوا تھا۔

محبت ان کے ہمراہ تھی۔ جواد نے گاڑی آگے بڑھا لی۔

☆☆☆

روش سے اس کے حجلہ عروسی تک پھول ہی پھول تھے۔ان پھولوں پر چل کر اُس نے تمام سفر طے کیا تھا۔ دھیرے دھیرے گنگناتا میوزک، لڑکیوں کی ہنسی، کزنز کی چھیڑ چھاڑ رسمیں، سلامیاں، مووی کی چھیڑ چھاڑ، افواد کی حدت آمیز نگاہ۔۔۔اس کا دکھ زائل ہونے لگا۔

رات گئے اسے ندا نے خواب آگین بیڈروم میں پہنچایا۔

سرخ گلابوں کا موسم کا یا اس بیڈروم میں اتر آیا تھا۔اس کا بیڈ، ڈرائینگ ٹیبل' سائیڈ ٹیبل کارپٹ۔گلاب ہی گلاب تھے۔

تبھی افواد اندر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

اُس کی نگاہ محجوب سی ہو کر جھک گئی افواد اس کے روبرو ہوا۔

گلدہ کی حسین گل۔گل نو بہار خوش آمدید۔۔۔۔۔۔۔

دھیرے سے گھونگھٹ الٹ دیا۔

اُس کے ہاتھ میں گلاب کی کلی تھمادی۔۔۔

بوجھل پلکیں اٹھا کر اُسے دیکھا۔

'جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔کیا کہہ رہا ہے یہ پھول گلاب کا'۔۔۔

نگاہ جھجک کر جھکی۔۔۔۔

''محبت کا اظہار کر رہا ہے اور گلابوں کے گلدستے بو کے عشق ومحبت کی گہرائیوں کے اظہار کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں وعدہ تو نہیں کرتا۔'' اے جانِ من مگر اپنے پیار سے تمہیں دنیا کی خوش قسمت خاتون اول بنا دونگا''

شرارت سے اُس پر نگاہ جمائے دھیرے دھیرے اُس کی کلائی میں کنگن پہناتا محبت آمیز نگاہوں میں اُس کے عروسی وجود کو سموتا اپنی چاہت کا یقین دلا رہا تھا۔

اور یہ یقین تو اُسے بہت پہلے سے تھا۔اب اور وہ مضبوط ہو گیا تھا۔

جواب میں تم مجھے کیا دو گی۔۔ جھک کر حدت آمیز سرگوشی کی۔

رنگ و نور اُس کے چہرے پر بکھر گیا۔

بولو نا۔۔۔!! کچھ تو دو نا۔ بضد ہوا۔۔۔

میں وعدہ۔۔۔تو نہیں۔۔کرتی۔۔مگر۔۔مگر مجھے یقین ہے۔میرے اعتبار، اعتماد اور پیار سے آپ۔۔دنیا کے خوش قسمت مرد بن جائیں گئے۔

اس برجستہ جواب پر تحیر آمیز انداز میں نایاب کی جانب دیکھا۔اُسے مزہ آ گیا تھا۔

بے اختیار بستر پر گر گیا۔

کیا ہوا۔۔؟ گھبرا کر اُس کی جانب بڑھی۔

افواد۔۔۔اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

کیا ہوا۔۔پلیز!۔۔حراساں سے انداز میں دیکھا۔

افواد نے شرارتی انداز میں آنکھیں کھول دیں۔

اپنے اعتماد، اعتبار اور پیار سے مجھے دنیا کا خوش قسمت اور نایاب مرد بناؤ نا۔۔۔۔

ہا!!!۔۔۔۔! جھک کر پیچھے ہٹی اور چہرے پر ہاتھ رکھ لئے۔ بے اختیار ہنستے ہوئے افواد نے اُس اپنے سنگ سمیٹ لیا۔

اعتبار، اعتماد، محبت، پیار ان کے درمیان رقص کرنے لگا۔

اختتـــــــــــــــــــام